تکفیریت کے خاتمہ کے لئے قرآنی راہ وروش

تحریر: جناب وحید خورشیدی*

ترجمہ: سید محمد حسنین باقری*

قرآن کریم میں جن مسائل کے سلسلے میں تاکید ہوئی ہے ان میں سے ایک، مسلمانوں کی عدم تکفیر ہے۔ یعنی قرآن کریم نے سختی سے منع کیا ہے کہ کسی مسلمان کو بغیر وجہ و سبب کے کافر قرار دیا جائے۔ قرآن نے اس سلسلے میں مسلمانوں کے سامنے راستے اور طریقے بیان کئے ہیں جن کے ذریعہ مسلمانوں کی جان و مال کی حفاظت کی جاسکے۔ ان میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ جو اظہار اسلام کررہا ہو اس کو کافر قرار دینے میں جلد بازی نہ کریں۔ دوسروں کے اسلام میں شک نہ کریں۔ "جنگ کی حالت میں مسلمانوں کے دونوں گروہوں کو مسلمان کہہ کر پیش کرنا، نزاع واختلاف کی صورت میں دو گروہوں کے درمیان صلح و صفائی کا حکم دینا اور مسلمان کے خون کو باعظمت قرار دینا"۔ یہ سب تکفیر کو ختم کرنے اور اس کے علاج کے راستے ہیں جنہیں قرآن نے پیش کیا ہے۔ اس مقالہ میں کوشش کی گئی ہے کہ آیات الٰہی میں غور و فکر کے ذریعہ تکفیریت کو ختم کرنے اور اس کے علاج کے لئے قرآنی راستے بیان کئے جائیں۔

تاریخ اسلام میں ایسے افراد اور گروہ پائے گئے ہیں جنہوں نے اپنے مخالفین کو کافر قرار دیا ہے اور معمولی سبب سے ان کو دین اسلام سے خارج قرار دیتے ہوئے ان کے واجب القتل ہونے کا حکم صادر کیا ہے۔ ہمیشہ ہی مسلمانوں کے ایک گروہ کی طرف سے دوسرے گروہ کو اعتقادی مبانی و بنیاد جدا ہونے کی وجہ سے یا ایک دوسرے کے مبانی نہ سمجھ پانے کی وجہ سے کافر قرار دینے کی وجہ سے امت مسلمہ کو بہت سے ناقابل جبران نقصانات ہوئے ہیں۔ اسلام کی نظر میں ہر وہ شخص مسلمان ہے جو زبان پر شہادتین جاری کرے، چاہے باطن میں دوسرا عقیدہ رکھتا ہو۔ اسلامی شریعت کی بنیاد پر ہرگز صحیح نہیں ہے کہ کسی

---

* محقق مؤسسہ تحقیقاتی دار الاعلام لمدرسۃ اہل البیت، وکارشناسی ارشد (ایم فل) شیعہ شناسی

* استاد جامعہ ناظمیہ و نائب مدیر ماہنامہ اصلاح، لکھنؤ

اسلامی فرقہ یا امت مسلمہ سے وابستہ کسی شخص کو بغیر دلیل کے کافر قرار دیا جائے جب تک کہ شہادتین کا اعتراف کر رہا ہے اور ضروریات دین میں سے کسی ضرورت کا انکار نہیں کر رہا ہے۔ اسی وجہ سے اس مقالہ میں کوشش کی گئی ہے کہ اس خطرناک اور مخرب دین وبا یعنی کسی مسلمان کو کافر قرار دیئے جانے کا علاج اور اس وبا کو ختم کرنے کا طریقہ قرآن کی روشنی میں بیان کیا جائے اور یہ بیان کیا جائے کہ قرآن اس وبا کا کس طرح مقابلہ کرتا ہے۔ اور چونکہ یہ تکفیری گروہ خود کو تو مسلمان سمجھتے ہیں اور دوسرے مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں للذا سب کے سامنے یہ واضح ہو جائے کہ اس گروہ کا یہ طریقہ قرآن اور حقیقی اسلام کے برخلاف ہے۔ اس موضوع کے مختلف عناوین سے متعلق مثلاً تکفیر قرآن وسنت کی روشنی میں وغیرہ کافی مطالب بیان تو کئے گئے ہیں اور بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن زیادہ تر کلی گوئی سے کام لیا گیا ہے، جزئیات و تفصیلات بیان نہیں ہوئے ہیں لیکن اس مقالہ میں آیات کو جزئی صورت میں البتہ مزید دقّت اور باریکی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے تاکہ یہ موضوع قابل استفادہ ہو جائے۔

اس مقالہ میں موضوع کو اس طرح پیش کیا گیا ہے: تکفیر کے لغوی و اصطلاحی معنی۔ تکفیر کا علاج اور اس سے نجات پانے کا قرآنی راستہ۔ تکفیر (کافر قرار دینے) کا حق کس کو ہے؟ اور آخر میں تکفیریوں بالخصوص وہابیوں کی مخالفت کو قرآن کی نظر سے بیان کیا گیا ہے۔

لغت واصطلاح میں تکفیر

کلمۂ تکفیر مصدر ہے باب تفعیل کا، جو مادّہ "کفّر یکفّر" سے لیا گیا ہے۔ اس کا ثلاثی مجرد 'کفر' ہے جیسا کہ المفردات میں آیا ہے کہ کفر لغت میں کسی چیز کے چھپانے کے معنی میں ہے، رات کو کافر کہتے ہیں اس لئے کہ وہ لوگوں کو چھپاتی ہے۔ کسان کو کافر کہتے ہیں اس لئے کہ وہ دانے کو زمین میں چھپاتا ہے۔ صاحب المفردات آگے لکھتے ہیں کہ: کفرِ نعمت یہ ہے کہ نعمت پر شکر ادا نہ کیا جائے، تو یہ اس کو چھپانا ہے۔ سب سے بڑا کفر، خداوند عالم کی وحدانیت یا نبوت کا انکار ہے۔ (۱)

زبیدی اور جوہری نے کفر کے معنی ایمان کی ضد کے بیان کئے ہیں اور تکفیر کا مطلب تواضع و انکساری اور کسی چیز کو محو کرنا اور ختم کرنا بیان کیا ہے۔ (۲) زبیدی نے تکفیر کے ایک معنی "دوسرے کو کافر سمجھنا" بیان کیا ہے۔: وکفرہ تکفیراً: نسبہ الی الکفر۔ (۳) کتاب معجم اللغۃ العربیہ المعاصر کے الفاظ یہ ہیں: "کفّر الشخص: کفّرہ: حملہ علی الکفر و نسبہ الیہ و قال لہ کفرت۔ (۴)

کسی شخص کی تکفیر یعنی اس کو کافر سمجھنا یا اس کی طرف کفر کی نسبت دینا یا اس سے کہنا کہ تم کافر ہو گئے ہو۔ وہ آگے لکھتے ہیں: جن لوگوں کو تکفیری جماعت کہا جاتا ہے یہ اس لئے ہے کہ یہ لوگ شدت پسند افراد ہیں جو اہل معصیت و گنہگار شخص کو کفر سے متہم کرتے ہیں اور بہت سے لوگوں کو کافر قرار دیتے

ہوئے اور قتل کرتے ہیں۔ (۵)۔ عبدالمنعم نے بھی مادہ تکفیر کے ذیل میں لکھاہے: تکفیر کا مطلب ہے کسی اہل قبلہ کی طرف کفر کی نسبت دینا۔ (۶)

کفر کے جو معانی بیان کئے گئے ہیں ان میں سے جب یہ کلمہ بطور مطلق استعمال کیا جائے تو اکثر ایمان کی ضد کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیساکہ ملا علی قاری نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (۷) جیساکہ ایجی نے بیان کیا ہے کہ اصطلاح میں کفر کا مطلب ہے ضروریات دین میں سے کسی ایک کا انکار اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عدم تصدیق ہے۔ (۸) ابن حزم نے بھی لکھاہے: دین میں کفر کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے جس چیز پر ایمان لانا ضروری قرار دیا ہے اتمام حجت کے بعد اس کا انکار کرنا۔ (۹)ابن تیمیہ بھی اسی عقیدہ کے قائل ہیں کہ کفر سے مراد خدا اور رسولؐ پر عدم ایمان ہے۔ (۱۰) انہوں نے دوسری جگہ پر کفر کا مطلب ضروریات دین اور احکام متواتر کا انکار بیان کیا ہے۔ (۱۱) اپنی ایک اور کتاب میں لکھتے ہیں کہ: کفر سے مراد یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس بات کی خبر دی ہے اس کو جھٹلانا اور صداقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یقین کے ساتھ فرعون و یہود وغیرہ کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی نہ کرنا۔ (۱۲) فخر رازی کہتے ہیں: کفر کا مطلب عدم ایمان ہے یعنی جن ضروریات کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لائیں ان کی تصدیق نہ کرنا۔ (۱۳) ابن الوزیر نے اس سلسلے میں لکھاہے: اصل کفر یہ ہے کہ کتاب خدامیں سے کسی بات یا کسی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کرنا یا جو چیزیں انبیاء لائے ہیں ان کی تکذیب کرنا البتہ اس وقت کہ جب وہ چیز بطور معین ضروریات دین میں سے ہو۔ (۱۴) لہٰذا اصطلاح میں کفر کا مطلب ہوا خدا ورسولؐ پر ایمان نہ لانا اور ضروریات دین کا انکار کرنا۔ علمائے اہل سنت کی اس تعریف کی روشنی میں جو شخص منکر خدا و نبوت نہ ہو اور ضروریات دین کا انکار نہ کررہا ہو وہ کفر کے دائرہ سے خارج ہے۔ تکفیر کا مطلب بھی یہ ہے کہ کوئی شخص کسی مسلمان کو کافر سمجھے۔

پہلا حصہ: دوسروں کے اسلام میں تامل اور شک نہ کرنا

الف) دوسروں کے بارے میں حکم لگانے میں جلدی نہ کرنا۔

تکفیر کی بیماری کو ختم کرنے کے لئے قرآن کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اس نے مومنین کو حکم دیا ہے کہ دوسروں کے اسلام کے بارے میں حکم لگانے میں جلد بازی نہ کریں اگرچہ یہ حکم جنگ کے موقع پر نازل ہوا ہے:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِندَ اللَّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ ۚ كَذَٰلِكَ كُنتُم مِّن قَبْلُ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا"۔ (۱۵)

ایمان والو! جب تم راہ خدا میں جہاد کے لئے سفر کرو تو پہلے تحقیق کرلو اور خبردار جو اسلام کی پیش کش کرے اس سے یہ نہ کہنا کہ تو مومن نہیں ہے کہ اس طرح تم زندگانی دنیا کا چند روزہ سرمایہ چاہتے ہو اور خدا کے پاس بکثرت فوائد پائے جاتے ہیں۔آخر تم بھی تو پہلے ایسے ہی کافر تھے۔خدا نے تم پر احسان کیا کہ تمہارے اسلام کو قبول کرلیا(اور دل چیرنے کی شرط نہیں لگائی) تو اب تم بھی اقدام سے پہلے تحقیق کرو کہ خدا تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔

روایات و تفاسیر میں اس آیت کے سلسلے میں متعدد شان نزول ذکر ہوئے ہیں جو آپس میں مشابہت رکھتے ہیں۔جس میں سے ایک یہ ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے جنگ خیبر سے واپسی پر اسامہ بن زید کو کچھ مسلمانوں کے ساتھ ان یہودیوں کی طرف بھیجا جو فدک کے ایک گاؤں میں رہتے تھے تاکہ ان یہودیوں کو اسلام یا شرائط ذمی قبول کرنے کی دعوت دیں۔ایک یہودی جس کا نام مرداس تھا، جب وہ لشکر اسلام کے آنے سے باخبر ہوا تو اس نے اپنے مال واولاد کو ایک پہاڑ کے پاس چھپادیا اور خدا کی وحدانیت اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی گواہی دیتے ہوئے مسلمانوں کے استقبال کے لئے آگے بڑھا۔اسامہ بن زید نے سوچا کہ یہ یہودی جان و مال کے خوف سے اظہار اسلام کر رہا ہے اور باطن میں مسلمان نہیں ہے یہ خیال کرکے اس پر حملہ کیا اور اس کو قتل کردیا اور اس کی بھیڑیں مالِ غنیمت کے طور پر لے لیں۔جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپؐ سخت ناراض ہوئے پھر یہ آیت نازل ہوئی۔(۱۶)

اس آیت میں غور وفکر کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کسی کو کافر کہنے کے سلسلے میں چاہے وہ پہلے کافر ہی رہا ہو یا یہ کہ باطن میں کافر ہو اور بظاہر اسلام کا دعویٰ کرتے ہوئے زبان پر شہادتین جاری کررہا ہو، جلد بازی نہیں کرنا چاہئے بلکہ اس کی بات کو مانا جائے۔

اہل سنت کے مشہور مفسر طبری نے اس آیت کو جنگ کے زمانہ سے مخصوص جانا ہے اور اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ دوسروں کو کافر قرار دینے میں جلد بازی نہیں کرنا چاہئے"۔

"اذا ضربتم فی سبیل اللہ" یقول اذا سرتم مسیر اللہ فی جہاد اعدائکم (فتبینوا) یقول فتانوا فی قتل من اشکل علیکم امرہ فلم تعلموا حقیقۃ اسلامہ ولا کفرہ ولا تعجلوا فتقتلوا من التبس علیکم امرہ ولا تتقدموا علی قتل احد الا علی قتل من علمتموہ یقیناً حرباً لکم وللہ ولرسولہ۔ (۱۷)

جس وقت تم راہ خدا میں قدم اٹھا رہے ہو یعنی جس وقت تم خدا کے لئے دشمنوں کے ساتھ جہاد کے راستے میں ہو تو تحقیق و جستجو کرو۔ یعنی جس شخص کے بارے میں حقیقت تمہارے لئے واضح نہ ہو اور تم کو معلوم نہ ہو کہ آیا اس نے واقعاً اسلام قبول کیا ہے یا کافر ہے تو اس کے قتل میں جلدی نہ کرو اس لئے کہ اسی شخص کو قتل کرنے کا حق ہے جس کے بارے میں یقین ہو کہ وہ تمہارے ساتھ اور رسولؐ خدا کے ساتھ جنگ کا ارادہ رکھتا ہے۔

البتہ انہوں نے مطلب کی وضاحت کے لئے " فتبینوا" کے لفظی معنیٰ کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس کا مطلب تانّی یعنی تامل و ٹھہرنا اور جلد بازی نہ کرنا بیان کئے ہیں۔ (۱۸)

بیضاوی نے بھی یہی تفسیر کی ہے اور ان کا نظریہ ہے کہ "فتبینوا" سے مراد اس شخص کے سلسلے میں حکم لگانے اور فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کرنا ہے جو جنگ میں اظہار اسلام کرے (۱۹)۔ وہ آگے لکھتے ہیں:

ولاتبادروا الی قتلھم ظنابانھم دخلوا فیہ اتقاء و خوفاً فان ابقاء الف کافر اھون عند اللہ من قتل امرئ مسلم وتکریرہ تاکید لتعظیم الامر۔ (۲۰)

اس خیال سے کہ وہ خوف و تقیہ کی وجہ سے اسلام میں داخل ہوئے ہیں تم ان کے قتل میں جلد بازی نہ کرو اس لئے کہ خداوند عالم کے نزدیک کسی ایک مسلمان کے قتل ہونے سے ہزار کافروں کا باقی رہنا آسان تر ہے اور جملہ " فتبینوا" کی تکرار اس بات کی عظمت کو بیان کر رہی ہے۔

غزالی نے بھی مسلمانوں کو کافر قرار دینے میں جلدی بازی سے کام نہ لینے کے سلسلے میں کہا ہے:

سزاوار ہے کہ تکفیر سے اجتناب کیا جائے اس لئے کہ اس مسلمان کے خون کو مباح سمجھنا جو توحید کا اقرار کرتا ہو، اشتباہ و غلطی ہے اور ہزار کافروں کا باقی رہ جانا ایک مسلمان کا خون بہائے جانے سے آسان تر ہے۔ (۲۱) (یعنی ایک مسلمان کی جان بچ جائے بہتر ہے چاہے ہزار کافروں کی جان بخشی کی نتیجے میں ہو)۔

وہابیوں کے قابل اعتماد مفسر ناصر سعدی بھی جملہ " فتبینوا" کی تفسیر میں کہتے ہیں: جب کوئی شخص دشمنان خدا کے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہو اور ان سے مقابلے کے لئے نکلے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اس شخص کے بارے میں تحقیق و جستجو کرے جو کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں اور اس بات پر قرینہ بھی موجود ہو۔ جو جنگ کے موقع پر اپنی جان بچانے کے لئے اسلام ظاہر کرے تو آیت کہتی ہے کہ اس کے بارے میں جستجو کی جائے تاکہ حقیقت واضح ہو جائے اور کوئی غلطی نہ ہو۔ (۲۲)

اسی طرح وہ دوسری جگہ اس آیت کے ذیل میں دوسروں کے سلسلے میں کفر کا حکم لگانے میں جلدی نہ کرنے کے فائدے کو بیان کرتے ہوئے معتقد ہیں کہ اس سلسلے میں تامل کرنا بہت سے فائدوں کا سبب اور بڑے شر کے دفع ہونے کا سبب ہے۔ اور اس کام سے اس شخص کا دین بھی معلوم ہو جائے گا یہ۔ برخلاف

اس عمل کے ہے کہ جس کے بارے میں حکم لگانے میں جلدی کرو اس لئے کہ جلد بازی میں نوبت وہاں تک پہنچ جاتی ہے جو نامناسب ہے۔ (۲۳)

فخر رازی بھی آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں: اس آیت کا مقصود مومنوں کے قتل کے حرام ہونے میں مبالغہ و شدت حرمت اور ان کے قتل کے ترک میں بھی مبالغہ اور سخت مناہی ہے تاکہ ضعیف تاویل کی وجہ سے ناحق خون نہ بہایا جائے۔ (۲۴)

آیت میں غور و فکر کرنے اور اس کے سلسلے میں مفسرین کے آراء و نظریات کو سامنے رکھنے کے بعد بخوبی یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کس طرح خداوند عالم نے دوسروں کی تکفیر اور ان پر بے جا کافر ہونے کا حکم لگانے میں تامّل کرنے کا حکم دیا ہے اور وہ بھی سخت ترین موقع پر یعنی جنگ کے موقع پر جہاں جھوٹ و فریب کا امکان پایا جاتا ہے لیکن خداوند عالم ایسے موقع پر بھی حکم دیتا ہے کہ جو شخص اسلام ظاہر کر رہا ہو اس کے بارے میں جلد بازی نہ کرو۔ اور اس کو کافر نہ گردانو، جیسا کہ قرطبی نے بھی اس جانب اشارہ کیا ہے کہ فقہ میں ظاہر پر حکم لگانا معیار و ملاک قرار پاتا ہے نہ کہ باطن پر (۲۵)۔ اس بات کی اہمیت اس سے بھی واضح ہوتی ہے کہ آیت کے آخر میں جلدی نہ کرنے کی تکرار ہوئی ہے! " فتبینوا ان الله بما تعملون خبیراً" گویا خداوند عالم کا اس جانب اشارہ ہے کہ تکفیر کا حکم کتنا خطرناک ہے۔ کسی شخص کے اسلام کا انکار جائز نہیں ہے جب تک کہ اس کے کافر ہونے پر کوئی قطعی دلیل نہ ہو۔ روایات بھی اس بات کی تائید کرتی ہیں۔ مثلاً اسامہ بن زید کہتے ہیں: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو قبیلۂ حُرقات کی جانب روانہ کیا۔ صبح ہم نے ان پر حملہ کیا اور ان کو شکست دی۔ میں اور ایک انصاری ایک شخص کے پاس پہنچے جب ہم اس پر مسلط ہو گئے تو اس نے لاالٰہ الا اللہ کہا۔ انصاری نے تو ہاتھ روک لیا لیکن میں نے اس پر اتنے نیزے مارے کہ وہ مر گیا جب ہم مدینہ واپس آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک بات پہنچی۔ آپؐ نے فرمایا: اے اسامہ، جب اس نے لاالٰہ الا اللہ کہہ دیا تھا تو اس کے بعد بھی تم نے اسے قتل کر دیا؟

میں نے کہا: اس نے جان بچانے کے لئے گواہی دی تھی۔ پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جملہ کی اتنی تکرار فرمائی کہ میں نے آرزو کی کہ کاش اس سے قبل میں مسلمان نہ ہوا ہوتا۔ (۲۶)

(ب) دوسروں کے اسلام میں شک نہ کرنا

تکفیر کے علاج کا ایک راستہ قرآن کی نظر میں یہ ہے کہ دوسروں کے اسلام میں شک نہ کیا جائے اور حتیٰ جنگ کے موقع پر بھی ان کے کفر کا حکم نہ لگایا جائے۔ قرآن اس سلسلے میں بیان کرتا ہے: " وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ

أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا"۔ (۲۷)۔ جو شخص اسلام و صلح کا اظہار کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تم مسلمان نہیں ہو۔

اس آیت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جب کوئی اظہار اسلام کرے تو واجب ہے کہ اس کی بات قبول کی جائے اور اس کو کافر نہ سمجھا جائے۔ اور اس آیت کے اطلاق سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو اسلام کا دعوی کر رہا ہے اس کے دعوے کو تقیہ یا خوف پر بھی حمل نہ کیا جائے بلکہ اس کے اس قول کو "کہ میں مسلمان ہوں" بغیر قید و شرط کے قبول کیا جائے۔

فخر رازی نے بھی اسلام کے معنی بیان کرنے کے ذیل میں بیضاوی ہی کی بات کو پیش کیا ہے۔ اسلام کے دو معنی ہیں: پہلے یہ کہ اسلام کا مطلب مسلمانوں پر تحیت ہے یعنی جب کوئی تم کو سلام کرے، سلام تحیت کہے تو یہ نہ کہو کہ اس نے پناہ حاصل کرنے کے لئے یہ جملہ کہا ہے اور ایسا نہ ہو کہ اس کی بات قبول نہ کرتے ہوئے اس پر تلوار اٹھالو اور اس کے مال پر قبضہ کرلو۔ بلکہ اس سلسلے میں اس سے دستبردار ہوتے ہوئے جو اس نے ظاہر کیا ہے اس میں اس کی بات قبول کرو۔ اور اسلام کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ جو جنگ میں تم سے کنارے ہٹ جائے تو اس سے یہ نہ کہو کہ تم مومن نہیں ہو۔ (۲۸)

طبری نے سورہ نساء کی آیت کے اس حصے کے ذیل میں بیان کیا ہے کہ جو شخص اظہار اسلام کرے اس کے ساتھ جنگ نہیں کی جا سکتی::

"ولاتقولوا لمن استسلم لکم فلم یقاتلکم مظہراً لکم انه من اهل ملتکم و دعوتکم لست مومناً" (۲۹) جو تمہارے سامنے تسلیم ہو جائے اور تم سے جنگ نہ کرے اور یہ ظاہر کرے کہ میں تمہارا دین رکھتا ہوں تو اس سے یہ نہ کہو کہ تم مومن نہیں ہو۔

شوکانی نے آیت کے اس حصے کی بہت اچھی تفسیر کی ہے:

" وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ ۔۔۔" "اس آیت میں نہی سے مراد یہ ہے کہ "کافر جب اپنے اسلام کے بارے میں کسی چیز سے استدلال کرے" تو اس میں مسلمانوں کو جلد بازی یا غلط قدم اٹھانے سے روکا جائے نیز مسلمانوں کو اس بات سے منع کیا جائے کہ وہ یہ کہیں کہ کافر کا اسلام ظاہر کرنا پناہ حاصل کرنے اور تقیہ کے لئے تھا۔ (۳۰)

لہٰذا اس آیت کے مطابق دوسروں کے بارے میں اسلام کا حکم لگانے میں اصل و معیار "ظاہر" ہے نہ کہ باطن یعنی کسی شخص کے کفر سے نکلنے کے لئے تظاہر بہ اسلام یعنی اپنے کو مسلمان ظاہر کرنا کافی ہے۔

جیسا کہ علمائے اہل سنت اسی اصل کو قبول کرتے ہیں اور اس پر تاکید کرتے ہیں۔ شاطبی نے کتاب الموفقیات میں اس مسئلہ کی طرف اشارہ کیا ہے: احکام میں اصل و بنیاد ظاہر پر حکم ہے جیسا کہ پیغمبر اکرم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجودیکہ وحی کے ذریعہ منافق وغیر منافق کو جانتے تھے پھر بھی ظاہر کے مطابق عمل کرتے تھے۔ (۳۱)

دوسرا حصہ: ایمان کی توصیف اور ایمانی بھائی چارگی کی تاکید

الف: اصلی اور حقیقی ایمان سے واقف کرانا

افراد اور سماج و معاشرہ کو منحرف ہونے سے محفوظ رکھنے اور اس انحراف کے علاج کے لئے قرآن کا ایک طریقہ اصلی و حقیقی ایمان کی طرف متوجہ کرنا ہے۔ خداوند عالم نے مسلمانوں کے ان گروہوں کو اہل ایمان کہا ہے جو آپس میں جنگ کی حالت میں ہیں:

وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِن فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿٩﴾ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (۳۲)

اور اگر مومنین کے دو گروہ آپس میں جھگڑا کریں تو تم سب ان کے درمیان صلح کراؤ اس کے بعد اگر ایک دوسرے پر ظلم کرے تو سب مل کر اس سے جنگ کرو جو زیادتی کرنے والا گروہ ہے یہاں تک کہ وہ بھی حکم خدا کی طرف واپس آجائے پھر اگر پلٹ آئے تو عدل کے ساتھ اصلاح کردو اور انصاف سے کام لو کہ خدا انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ مومنین آپس میں بالکل بھائی بھائی ہیں لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان اصلاح کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو کہ شاید تم پر رحم کیا جائے۔

ان آیات کا شان نزول مدینہ کے دو مشہور قبیلوں یعنی اوس و خزرج کے درمیان نزاع واختلاف ہے۔

جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس آیت میں مسلمانوں کا آپس میں لڑنا جو کہ گناہان کبیرہ میں سے ہے، ان کے دائرہ اسلام سے خارج ہونے کا سبب نہیں ہے۔ (۳۳)

بخاری بھی اس آیت اور دوسری آیات کی روشنی میں یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ ایک شخص گناہ کرنے کی وجہ سے اگر چہ وہ گناہ بڑا ہو پھر بھی دائرہ ایمان سے خارج نہیں ہوتا ہے۔ (۳۴) ثعلبی بھی اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں: یہ آیات دلالت کرتی ہیں کہ " بغی" (ظلم وزیادتی کرنا) ایمان کو ختم نہیں کرتا ہے اس لئے کہ خداوند عالم نے ان لوگوں کو گرچہ وہ اہل بغی ہیں لیکن ایمانی بھائی کہا ہے۔ (۳۵)

ابن قدامہ نے بھی ان آیات کے ذیل میں پانچ فائدے ذکر کئے ہیں: پہلا فائدہ یہ ہے کہ قرآن کریم نے ان مسلمانوں کو جو آپس میں ایک دوسرے سے جنگ کی حالت میں ہیں اور اہل بغی ہو گئے ہیں، ایمان سے خارج نہیں کیا ہے بلکہ ان کو مومن کہا ہے۔ (۳۶) عینی نے بھی اس آیت کے ذیل میں اشارہ کیا ہے کہ

خداوند عالم نے اہل قتال کو مومن قرار دیا ہے اور دائرۂ ایمان سے خارج نہیں کیا ہے۔ (۳۷) البانی بھی اس آیت کے ذیل میں اہل بغی کے کافر ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

خداوند عالم نے اس آیت میں تجاوز و زیادتی کرنے والے گروہ کو جو مومن اور صاحبان حق کے ساتھ جنگ کرے، اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا ہے۔ (۳۸) بن باز نے بھی اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مومنین کا آپس میں جنگ و جدال کرنا ان کو ایمان کے دائرہ سے باہر نہیں کرتا ہے اگرچہ ان کے ایمان کے کمزور و ضعیف ہونے کا سبب ہوتا ہے۔ (۳۹) البتہ اہل سنت کی روایات میں بھی اس بات کی طرف اشارہ ہوا ہے کہ مسلمانوں کے دو گروہ جو آپس میں جنگ کی حالت میں ہوں ان دونوں گروہوں کو مسلمان کہا گیا ہے اور ان پر مسلمان ہونے کا اطلاق ہوا ہے مثلاً یہ روایت جس میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

"ابنی ھذا سید ولعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین من المسلمین "۔ (۴۰)

میرا یہ بیٹا (حسن مجتبیٰ علیہ اسلام) سید و سردار ہے، امید ہے کہ خداوند عالم اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو گروہوں (لشکر امام حسن علیہ السلام و لشکر معاویہ) کے درمیان صلح برقرار کرے۔ گویا خداوند عالم نے ان دو گروہوں کے ایمان کی نفی نہیں کی ہے جو جنگ و جدال کی حالت میں ہیں اور کسی کو کافر قرار نہیں دیا ہے بلکہ ذکر کیا ہے کہ وہ (بظاہر) اہل ایمان ہیں اور یہ (ظاہری) ایمان ہے جو ان کے درمیان صلح کا سبب قرار پائے گا۔ اس لئے کہ اگر ایک گروہ کافر ہوتا تو صلح کے کیا معنی تھے۔ لہٰذا اس قرآنی منطق اور قرآنی روش و طریقے کی روشنی میں مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ کسی دوسرے مسلمان کی تکفیر نہ کریں، کسی مسلمان کو کافر قرار نہ دیں اس لئے کہ خداوند عالم نے جنگ کرنے والے مسلمانوں کو بھی اہل ایمان میں شمار کیا ہے۔

ایک اعتراض کا جواب:

ہوسکتا ہے کہ یہاں پر یہ اعتراض کیا جائے کہ بعض صحیح روایات میں مسلمانوں کے آپس میں جنگ و قتال کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے لہٰذا ایسی صورت میں ان روایات کو ان آیات کے ساتھ جو اہل قتال کو مومن قرار دیتی ہیں کس طرح جمع کیا جائے؟ مثلاً پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث شریف میں ذکر ہوا ہے کہ " سباب المسلم فسوقٌ و قتالہ کفر " (۴۱)

مسلمان کو برا بھلا کہنا گالی دینا فسق ہے اور اس کے ساتھ جنگ و قتال کفر ہے۔

اسی طرح دوسری روایت میں آیا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ وعلیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "لاترجعوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض" (۴۲) میرے بعد کافر نہ ہوجانا کہ ایک دوسرے کو قتل کرنے لگو۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ:

اولاً ان روایات میں اور اس طرح کی روایات میں کفر سے مراد، کفر اصغر ہے جو دین سے خارج ہونے کا سبب نہیں ہوتا ہے۔ برخلاف کفر اکبر کے جو دین سے خارج ہونے کا سبب ہوتا ہے۔ کفر اصغر وہی کفر عملی ہے اور اس طرح کا کفر انسان کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتا۔ قرآن و سنت میں جن گناہوں کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے اور ان پر کفر کا اطلاق ہوا ہے لیکن کفر اکبر کی حد تک نہیں پہنچتے ان میں سے کفران نعمت ہے۔ لیکن کفر اکبر انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کرکے اعمال کو برباد کردیتا ہے۔ البتہ یہ تقسیم اہل سنت نے پیش کی ہے۔

ابن قیم جوزیہ نے اپنی کتاب مدارج السالکین میں کفر کی دو قسمیں اکبر و اصغر کرنے کے بعد لکھا ہے: کفر اکبر جہنم میں خلود اور ہمیشہ رہنے کا سبب ہوتا ہے۔ برخلاف کفر اصغر کے جو صرف مستحق عذاب ہے نہ کہ خلود جہنم کا سبب۔ (۴۳) سلسلۂ گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے انہوں نے یہ روایت "سباب المسلم فسوقٌ و قتالہ کفر" اور اس طرح کی دیگر روایات کے سلسلے میں راہ حل پیش کرتے ہوئے ان کو کفر اصغر پر حمل کیا ہے اور اسی طرح "ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون" (۴۴)، اور وہ لوگ جو خدا کے نازل کردہ احکام کے مطابق حکم نہیں لگاتے وہ کافر ہیں"۔ اس آیت کے سلسلے میں ابن عباس کے جواب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آیت میں کفر سے مراد ملت و دین سے خارج ہونا نہیں ہے اور یہ کافر اس کافر کی طرح نہیں ہے جو خداوند عالم، فرشتوں، کتابوں اور پیغمبروں کا انکار کرنے والا ہے۔ ابن تیمیہ نے بھی اسی طرح کی توجیہ پیش کی ہے۔ (۴۵)

ثانیاً: ان جگہوں پر لفظ کفر کا اطلاق، شدت تغلیظ اور انتہائی مذمت کو بیان کرنے کے لئے ہے۔ جیسا کہ ابن حجر اس آیت کی توجیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: فدل علی ان بعض الاعمال یطلق علیہ الکفر تغلیظاً(۴۶)

یہ آیات دلالت کرتی ہیں کہ بعض اعمال پر کفر کا اطلاق تغلیظ و' شدت کے سبب ہے' حقیقی معنی یعنی دین سے خارج ہونے کے معنی میں نہیں ہے۔

لہٰذا یہ روایات دین سے خارج ہونے کے معنی والے کفر سے کوئی ربط نہیں رکھتی ہیں۔ یعنی یہ روایات اس کفر کو بیان نہیں کررہی ہے جو دین سے خارج ہونے کے معنی میں ہے۔

خلاصہ یہ ہے ان روایات میں وہ کفر مراد نہیں جو دین سے خارج ہونے کے معنی میں ہے کہ جس کی بنا پر یہ کہا جائے کہ روایات مذکورہ آیات سے تعارض رکھتی ہیں بلکہ ان روایات میں کفر سے مراد کفر اصغر ہے جو ممکن ہے مسلمان بھی بعض گناہوں کے مرتکب ہونے کی وجہ سے اس کا مصداق قرار پائیں۔ اگر دینی متون اور روایات وغیرہ میں کسی فعل و عمل یا عقیدہ کے سلسلے میں کفر کا لفظ استعمال ہوا ہو تو ضروری نہیں کہ وہ ہمیشہ کفر اکبر کو بیان کر رہا ہو یعنی ایسے کفر کو جو انسان کو دین سے خارج کر دیتا ہے۔ لہٰذا تکفیر اور کسی کو کافر قرار دینے میں یہ توجہ رکھنا چاہئے کہ ہم آیات و روایات کے صرف ظاہر سے سہارا لینے کی کوشش نہ کریں اور ہر کفر کو کفر اکبر پر حمل نہ کریں۔ مسلمانوں کے آپس میں جنگ و جدال کو کفر کہا گیا ہے لیکن قطعاً یہ کفر، کفر اکبر نہیں ہے بلکہ کفر اصغر ہے۔

(ب) اہل نزاع کے درمیان صلح و صفائی کا حکم

جنگ میں برسرپیکار دو گرہوں کے درمیان اختلاف کو دور کرنے کا سب سے پہلا راستہ جسے قرآن نے بھی پیش کیا ہے یہ ہے کہ دونوں کے درمیان صلح و آشتی کرائی جائے ارشاد خداوندی ہے: "فاصلحوا بينهما" (۴۷) یہ حکم خداوند عالم کی طرف سے مومنین کے لئے تاکید ہے کہ جنگ کر رہے دو گروہوں کے درمیان صلح قائم کریں اور ان کو کتاب خدا کی طرف دعوت دیں۔ جیسا کہ مفسرین نے اس جانب اشارہ کیا ہے: مثلاً جصاص کا کہنا ہے: یہ حالت جنگ میں مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان اصلاح و بھائی چارہ قائم کرنے کا حکم ہے اور کتاب و سنت اور بغی سے پلٹنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (۴۸)

اس آیت میں صلح و آشتی کا حکم ایک عمومی حکم ہے جو اختلاف و جھگڑا کر رہے دو گروہوں کے درمیان انجام دیا جائے گا۔ اس میں نہ ہی کسی ایک طرف میلان و رجحان ہونا چاہئے یا نہ ہی کسی کو کافر قرار دیا جانا چاہئے۔ ضروری ہے کہ دونوں کے درمیان عدالت و انصاف کے ساتھ صلح کرائی جائے۔ صرف اس وقت کہ جب ایک گروہ دوسرے پر بغی اور ظلم و زیادتی کرے اور حکم خدا نہ مانے تو اس سے جنگ کی جائے تاکہ حکم خدا کے آگے سر جھکا دے۔ جیسا کہ مفسرین نے بھی اس مطلب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (۴۹)

اس صلح کی تو اتنی زیادہ اہمیت ہے کہ ایک ہی آیت میں دو مرتبہ تکرار ہوئی ہے۔ ایک یہ کہ آغاز جنگ میں ان کے درمیان صلح کی کوشش کرو دوسرے یہ کہ اگر تجاوز و زیادتی کرنے والا گروہ جنگ کے بعد اصلاح کا امکان رکھتا ہو تو ان کے درمیان عدالت و انصاف کے ساتھ صلح کراؤ۔ اس آیت میں اہم نکتہ یہ ہے کہ خداوند عالم نے ان کے کفر کا حکم نہیں لگایا ہے بلکہ ان کے ساتھ اہل ایمان والا برتاؤ کیا ہے۔ اس صلح کی تکرار بعد والی آیت میں بھی ہوئی ہے" فاصلحوا بين اخويكم۔ "اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کراؤ" تاکہ مسلمانوں کو باور کرائے کہ مسلمانوں کے درمیان تفرقہ و اختلاف سے صلح و آشتی بہتر ہے لہٰذا

ان آیات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ افراد یا گروہوں کے درمیان نزاع و اختلاف کی صورت میں صلح کرانے میں کسی پر کفر کا حکم نہ لگایا جائے بلکہ ان کے ساتھ اہل ایمان والا رویہ اپنایا جائے۔

(ج) ایمانی بھائی چارگی کی تاکید

ایک دوسرے کی تکفیر سے روکنے اور اس کو ختم کرنے کا ایک قرآنی راستہ مسلمانوں کے گروہوں کے درمیان ایمانی بھائی چارگی کی تاکید ہے۔ خداوند عالم نے صریحی طور پر مومنین کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے: "انّما المؤمنون اخوة فاصلحوا بين اخويكم واتّقوا الله لعلّكم ترحمون" (۵۰)

مومنین آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں، لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کراؤ اور خدا سے ڈرو، شاید تم پر رحم کیا جائے۔

عقیدہ و دین میں بھائی ہونا، نسب میں بھائی ہونے سے کہیں مضبوط تر و پائیدار تر ہے اس لئے کہ نسب میں بھائی ہونا دین کی مخالفت کی صورت میں ختم ہو جاتا ہے لیکن دین میں بھائی ہونا نسب کے منقطع ہونے کے بعد بھی ختم نہیں ہوتا۔ (۵۱) اسی وجہ سے خداوند عالم آپس میں جنگ میں مصروف مومنین کو تاکید کر رہا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے بھائی ہیں تاکہ ان کے درمیان اصلاح کرے۔ گویا خداوند عالم اس بات کی تاکید کر رہا ہے کہ مومنین جو آپسمیں جنگ کی حالت میں ہیں وہ نسب و ولادت میں ایک دوسرے کے بھائی کی طرح ہیں۔

ابن تیمیہ نے اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے:

باوجودیکہ مسلمان آپسمیں جنگ کی حالت میں ہیں پھر بھی ان کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا ہے جبکہ خود خداوند عالم نے اہل بغی و شر پسند کے ساتھ قتال کا حکم دیا ہے لیکن ہر بغی و ہر ظلم، عموم افراد کو ایمان کے دائرہ سے خارج نہیں کرتا ہے۔ (۵۲)

ذہبی نے بھی لکھا ہے: یہ آیت آپس میں جنگ کر رہے مومنین کو اہل ایمان قرار دے رہی ہے اور خبر دی ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ (۵۳)

کتاب اعلام السند مومنین میں بھی ذکر ہوا ہے کہ خداوند عالم نے اس آیت کے ذریعہ مومنین کو ایمان سے متصف کیا ہے اور ان کو برادر ایمانی، کہکر خطاب کیا ہے اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ ان کے ایمان کی ذرہ برابر نفی نہیں کی (۵۴)۔ سعدی نے آیت کے اس حصے کی تفسیر کے ذیل میں لکھا ہے کہ یہ خداوند عالم کے عہد و پیمان میں سے ہے جو مومنین کے درمیان اس بات پر ہے کہ اگر کوئی شخص دنیا کے کسی کونے میں خدا، ملائکہ، کتب، پیغمبران خدا اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہو تو وہ مومنین کا دینی بھائی ہے اور اخوت سبب بنتی ہے کہ مومنین جو چیز اپنے لئے پسند کرتے ہیں وہ اپنے دینی بھائی کے لئے بھی پسند

کریں اور جو بات اپنے لئے ناپسند کرتے ہیں وہ ان کے لئے بھی ناپسند کریں۔ انہوں نے اس اخوت و بھائی چارگی کو مومنین کے درمیان جنگ واختلاف سے بچنے کا راستہ بیان کیا ہے اس طریقہ سے کہ مومنین کو چاہیئے اپنے درمیان اصلاح کریں۔ (۵۵)

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ان آیات کا شان نزول اور سیاق و سباق مومنین کے دو گروہوں کے درمیان جنگ واختلاف کے سلسلے میں ہے لیکن خداوند عالم نے دونوں گروہوں کو مومن کہہ کر خطاب کیا ہے اور ان کو ایک دوسرے کا بھائی کہا ہے جبکہ وہ لوگ گنہگار اور اہل بغی تھے۔ اسی طرح اہل سنت کی حدیثی، تفسیری، تاریخی اور اعتقادی کتابوں میں کثرت سے روایات موجود ہیں جن میں حضرت علی علیہ السلام نے جمل، صفین اور نہروان والوں کو جو حضرت کے خلاف برسرپیکار تھے کافر نہیں قرار دیا بلکہ ان کو اپنا بھائی کہہ کر خطاب کیا ہے ان کو صرف اہل بغی اور نافرمان بتایا ہے۔ تفسیر بغوی میں آیا ہے کہ: ان علی ابن ابی طالب رضی الله عنہ سئل۔ وھو القدوۃ فی قتال اھل البغی۔ عن اھل الجمل و صفین أمشرکون ھم؟ فقال لا من الشرک فروا، فقیل، أمنافقون ھم فقال: لا ان المنافقین لا یذکرون الله الا قلیلاً قیل: فما حالھم قال: اخواننا بغوا علینا۔ (۵۶)

حضرت علی علیہ السلام جو اہل بغی کے ساتھ جنگ میں پیشوا و سردار تھے آپ سے اہل جمل و صفین کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا وہ مشرک ہیں؟ حضرت نے فرمایا: انہوں نے شرک سے فرار اختیار کی ہے، پوچھا گیا، کیا وہ منافق ہیں؟ حضرت نے فرمایا: منافق ذکر خدا نہیں کرتا مگر بہت معمولی، سوال کیا گیا: تو پھر ان کی حالت کیا ہے؟ فرمایا: وہ ہمارے بھائی ہیں جنہوں نے ہمارے خلاف بغاوت و نافرمانی کی ہے۔

اسی طرح کی روایت نہروان والوں کے بارے میں بھی نقل ہوئی ہے۔ (۵۷)

واضح رہے کہ حضرت علی علیہ السلام کی ان گروہوں کے خلاف جنگ، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صریحی حکم کے مطابق تھی۔ جیسا کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: "عھد الی رسول الله فی قتال الناکثین والقاسطین والمارقین"۔ (۵۸)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے ناکثین و قاسطین ومارقین کے خلاف جنگ کے لئے عہد لیا۔

یہ روایت اہل سنت کی دسیوں کتابوں میں متعدد اسناد کے ساتھ نقل ہوئی ہے۔

ان روایات کے مطابق حضرت نے جمل، صفین اور نہروان والوں کے ساتھ اسلام والا معاملہ کیا ہے اور ان کے ظاہری ایمان پر حکم لگاتے ہوئے ان کو اپنا بھائی خطاب کیا ہے ورنہ معاویہ جیسے افراد یقیناً

باطنی طور پر کافر تھے جیسا کہ حضرت علی علیہ السلام نے خود اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے آپ نہج البلاغہ میں اپنے مکتوب نمبر ۱۶ میں ارشاد فرماتے ہیں:

۔۔۔ وَاَعْطُوا السُّيُوفَ حَقُوقَهَا. وَ وَطِّئُوا لِلْجُنُوبِ مَصَارِعَهَا، وَاذْمُرُوا اَنْفُسَكُمْ عَلَى الطَّعْنِ الدَّعْسِيِّ، وَالضَّرْبِ الطِّلَحْفِي، وَاَمِيتُوا الْاَصْوَاتَ فَاِنَّهُ اَطْرَدُ لِلْفَشَلِ. فَوَالَّذِي فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَاَ النَّسَمَةَ، مَا اَسْلَمُوا وَلٰكِنِ اسْتَسْلَمُوا وَاَسَرُّوا الْكُفْرَ، فَلَمَّا وَجَدُوا اَعْوَاناً عَلَيْهِ اَظْهَرُوهُ. (۵۹)

۔۔۔ تلواروں کو ان کا حق دے دو اور پہلو کے بَل گرنے والے دشمنوں کے لئے مقتل تیار رکھو۔ اپنے نفس کو شدید نیزہ بازی اور سخت ترین شمشیر زنی کے لئے آمادہ رکھو اور آوازوں کو مردہ بنا دو کہ اس سے کمزوری دور ہو جاتی ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے دانہ کو شگافتہ کیا ہے، اور جاندار چیزوں کو پیدا کیا ہے کہ یہ لوگ اسلام نہیں لائے ہیں بلکہ حالات کے سامنے سپر انداختہ ہو گئے ہیں اور اپنے کفر کو چھپائے ہوئے ہیں اور جیسے ہی مددگار مل گئے ویسے ہی اظہار کر دیا۔

حضرت علی علیہ السلام نے جو لوگ آپ سے لڑ رہے تھے باطن میں ان کو مسلمان نہیں سمجھتے تھے لیکن ظاہر میں چونکہ اظہار اسلام کیا تھا اس لئے ان کے ساتھ اسلامی سلوک کیا اور ان کو اپنا بھائی خطاب کیا اور ظاہر میں ان پر کفر کا حکم نہیں لگایا۔

قرآن کریم نے مومنین کو بھائی قرار دے کر بالخصوص جنگ و نزاع کی صورت میں، مومن کی تکفیر سے روکا ہے اور جو لوگ اہل بغی ہیں ان کو ایمان سے خارج نہیں سمجھا ہے بلکہ ان کو بھائی خطاب کرکے چاہا ہے کہ اختلاف و تفرقہ کو روکے اور اس کام میں ان کے لئے صلح کو پیش کرے۔ جیسا کہ دوسری آیات میں قاتل اور ولی دم کو ایک دوسرے کا بھائی کہا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنثَىٰ بِالْأُنثَىٰ فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔ (۶۰)

ایمان والو! تمہارے اوپر مقتولین کے بارے میں قصاص لکھ دیا گیا ہے آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت. اب اگر کسی کو مقتول کے وارث کی طرف سے معافی مل جائے تو نیکی کا اتباع کرے اور احسان کے ساتھ اس کے حق کو ادا کر دے. یہ پروردگار کی طرف سے تمہارے حق میں تخفیف اور رحمت ہے لیکن اب جو شخص زیادتی کرے گا اس کے لئے دردناک عذاب بھی ہے۔

تیسرا حصہ: مسلمان کے خون کی عظمت و اہمیت اور اس کی حفاظت کی تاکید

الف) مومن کا قتل تمام لوگوں کے قتل کے برابر۔

سب سے اہم چیز جو کسی مسلمان کے خون کے حلال ہونے کا سبب بنتی ہے وہ تکفیر ہے اور تکفیر کا مطلب ہے اہل قبلہ کی طرف کفر کی نسبت دینا۔ قرآن کریم میں قتل و غارت کی اتنی زیادہ مذمت ہوئی ہے کہ ناحق ایک شخص کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا گیا ہے اور ایک شخص کے حیات دینے کو پوری بشریت کو حیات دینے کے برابر قرار دیا گیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے ناحق کسی مسلمان کا خون بہائے جانے سے روکنے کے لئے ایک شخص کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل جانا ہے:

"مِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ مَن قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْأَرْضِ لَمُسْرِفُونَ"۔ (۶۱)

ترجمہ: اسی بنا پر ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ جو شخص کسی نفس کو کسی نفس کے بدلے یا روئے زمین میں فساد پھیلانے کی سزا کے علاوہ قتل کر ڈالے اس نے گویا سارے انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے ایک نفس کو زندگی دے دی اس نے گویا سارے انسانوں کو زندگی دے دی اور بنی اسرائیل کے پاس ہمارے رسول کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آئے مگر اس کے بعد بھی ان میں کے اکثر لوگ زمین میں زیادتیاں کرنے والے ہی رہے۔

مقصد یہ ہے کہ ایک شخص کا قتل، تمام لوگوں کے قتل کے برابر ہے۔ اور شک نہیں کہ یہاں عمدی قتل کی مذمت اور اس کی سزا کی سختی کو بیان کرنا اور اس کام کو بہت بڑا پیش کرنا مقصود ہے جیسا کہ تمام مخلوق کا قتل ہر ایک کے لئے بہت بڑی بات ہے اسی طرح ایک شخص کا بھی قتل ہے۔ فخر رازی نے بھی اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (۶۲)

قرطبی نے بھی ابن عباس سے اس طرح نقل کیا ہے:

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص ایک انسان کو قتل کرے اور حرمت کا خیال نہ رکھے گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کیا ہے۔ اور اگر کوئی ایک انسان کے قتل سے اپنے کو روکے اور اس کے خون کو خوف خدا کی وجہ سے محفوظ رکھے گویا اس نے تمام لوگوں کو زندگی عطا کی ہے۔ (۶۳)

سعدی نے بھی اپنی تفسیر میں اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے:

اگر کوئی ایسے شخص کو قتل کرنے کے لئے اقدام کرے جو قتل کا مستحق نہیں ہے، یہ آیت اعلان کر رہی ہے اس مقتول اور دوسرے افراد میں کوئی فرق نہیں ہے یہ نفس امارہ ہے جو قاتل کو قتل کرنے کے لیے وسوسہ پیدا کرتا ہے۔ اگر قاتل یہ کام انجام دے گویا اس نے پوری انسانیت کو قتل کیا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص خوف خدا کی وجہ سے ایسے شخص کو قتل کرنے سے اپنے کو روک لے جس کے قتل کرنے کے لئے نفس امارہ وسوسہ کر رہا ہے تو گویا اس نے تمام انسانیت کو زندہ کیا ہے۔ (۶۴)

البتہ بعض مفسرین کا یہ نظریہ ہے کہ: "وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا"۔ میں احیا اور زندہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ انسان کسی شخص کی بقاء و نجات کا سبب بنے چاہے اس شخص کے قاتل کو روک کر یا خطرات سے نجات دے کر۔ (۶۵)

بہت زیادہ روایات اسی آیت کی تائید میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہوئی ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناحق خون بہانے سے منع فرمایا ہے یہاں دو روایات کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے:

"لا یزال المومن فی نفسه من دینه مالم یصیب دما حراما" (۶۶)

مومن اپنے دین اسلام کی جانب سے ہمیشہ فائدہ حاصل کرتا ہے جب تک کہ ناحق خون نہ بہائے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ:

"من قتل معاهداً لم یرح رائحة الجنة" (۶۷)

جو بھی ایسے شخص کو ناحق قتل کردے جو اسلام کی پناہ میں ہے تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا۔

(ب) دوزخ، قاتل مومن کے انتظار میں

خداوند عالم نے ایک دوسری آیت میں قتل و خونریزی سے روکنے کے لئے قاتل کے لئے بہت سخت عذاب کو بیان کیا ہے تاکہ اس ذریعہ سے بھی مومن کی جان محفوظ رہنے کی اہمیت کو پیش کیا جائے:

" وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا"۔ (۶۸)

اور جو بھی کسی مومن کو قصداً قتل کردے گا اس کی جزا جہنم ہے۔ اسی میں ہمیشہ رہنا ہے اور اس پر خدا کا غضب بھی ہے اور خدا لعنت بھی کرتا ہے اور اس نے اس کے لئے عذاب عظیم بھی مہیّا کر رکھا ہے۔

قرآن کریم نے اس آیت میں اس شخص کے لئے سزاؤں کا تذکرہ کیا ہے جو کسی مومن کو عمداً قتل کردے:

(۱) جہنم کی سزا (۲) دوزخ میں ہمیشہ رہنا۔ (۳) غضب خدا (۴) لعنت خدا۔ (۵) عذاب عظیم۔

گویا جرم کے بہت سخت اور بہت بڑے ہونے کی جانب اشارہ ہے جیسا کہ وہابی مفتی ابن عثیمین نے بھی اسی آیت کے ذیل میں اس بات کو بیان کیا ہے:

ان العمد اعظم جرماً من ان تدخله الکفارة و لیس فیه إلا هٰذا الوعید الشدید و هٰذا القول اصح (۶۹)

بیشک عمداً قتل کا جرم اتنا سخت اور بڑا ہے کہ اس پر کفارہ بھی نہیں ہو سکتا اور اس قتل کا کوئی بھی چیز جبران نہیں کر سکتی سوائے وعدۂ عذاب کے۔ یہ صحیح ترین قول ہے۔

جیسا کہ مذکورہ دو آیات میں ملاحظہ ہوا کہ خداوند عالم نے کسی بھی مسلمان کے قتل کو بہت بڑا جرم بتا کر، نفس کی حفاظت کی جانب خصوصی توجہ کرتے ہوئے اور مومن کے قاتل کے لئے سخت عذاب و سزا معین کر کے مومنین کے حقوق کے سلسلے میں تجاوز و زیادتی کو روکنا چاہا ہے اور بالخصوص ان کے نفوس کی اہمیت اور ان کی حفاظت کا پیغام دیا ہے۔ لیکن تکفیری گروہوں نے دوسروں کو کافر قرار دے کر اور ان آیات کو نظر انداز کرتے ہوئے مسلمانوں، جن میں بچے بڑے، عورت مرد سب شامل ہیں ان سب کے ناحق خون کو بہایا جن میں سے بعض کی طرف اشارہ کیا جائے گا۔

چوتھا حصہ: اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنے اور اولی الامر کی اطاعت کا حکم

ریسمان الٰہی کو پکڑنے اور تفرقہ و اختلاف سے دوری، تکفیر کے علاج اور اس وبا سے نجات پانے کے لئے بہترین راستہ ہے لہٰذا قرآن نے ایک راستہ بتایا کہ تمام مسلمان کتاب خدا و سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ و سلم سے وابستہ ہوں اور اختلاف و تفرقہ سے دوری اختیار کریں:

"وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ"۔ (۷۰)

اور اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ پیدا کرو اور اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ تم لوگ آپس میں دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں میں اُلفت پیدا کر دی تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے اور تم جہنم کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں نکال لیا اور اللہ اسی طرح اپنی آیتیں بیان کرتا ہے کہ شاید تم ہدایت یافتہ بن جاؤ۔

طبری نے اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے کہ: اپنے کو ریسمان خدا سے لٹکا لو، دین الٰہی اور عہد و پیمان (یعنی الفت و محبت، حق پر متفق اور جمع ہونا، امر الٰہی کے آگے تسلیم ہونا کہ ان چیزوں کے بارے میں کتاب خدا میں عہد لیا گیا ہے) سے تمسک کرو۔ (۷۱) خداوند عالم نے اتحاد کا حکم دینے کے بعد تفرقہ و اختلاف سے بھی منع کیا ہے ارشاد ہے: "وَلَا تَفَرَّقُوا"

یعنی خدا کے دین اور اس کے ساتھ کئے گئے عہد (خدا اور رسولؐ کی اطاعت و پیروی میں متحد رہنا) سے جدا نہ ہو۔ (۷۲)

قرطبی نے بھی آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: فان اللہ تعالیٰ یامر بالالفة وینھی عن الفرقة فان الفرقة ھلکة والجماعة نجاة (۷۳)

خداوند عالم نے الفت و بھائی چارگی کا حکم دیا ہے اور اختلاف و تفرقہ سے منع فرمایا ہے اس لئے کہ تفرقہ میں ہلاکت اور جماعت و اتحاد میں نجات ہے۔

ایک دوسری آیت میں خدا اس کے رسول کی اطاعت و پیروی کا حکم دینے کے بعد اختلاف و تفرقہ کے نتیجے کی طرف اشارہ ہوا ہے کہ قدرت و شوکت ختم ہو جاتی ہے:

"وَ أَطِيعُوا اللَّهَ وَ رَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَ تَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوْا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ" (۷۴)۔

اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں اختلاف نہ کرو کہ کمزور پڑ جاؤ اور تمہاری ہوا بگڑ جائے اور صبر کرو کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اختلاف و تفرقہ سب سے بڑا سبب ہے ضعف و کمزوری کا۔ تفرقہ کا سبب ہونے والی چیزوں میں سے ایک، مسلمانوں کی تکفیر ہے۔ لیکن کتاب خدا و سنت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تمسک مسلمانوں کے درمیان وحدت و ہمدلی کے اسباب میں سے ہے اور مسلمانوں کے ایک دوسرے سے جدائی کے راستہ کو بند کر دیتا ہے۔ قرآن کریم نے بھی اس موضوع کی جانب اشارہ کیا ہے اور خدا و رسولؐ کی طرف رجوع و بازگشت کو اختلاف کے دور ہونے کا راستہ بیان کیا ہے:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا"۔ (۷۵)

ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو رسول اور صاحبانِ امر کی اطاعت کرو جو تم ہی میں سے ہیں پھر اگر آپس میں کسی بات میں اختلاف ہو جائے تو اسے خدا اور رسول کی طرف پلٹا دو اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھنے والے ہو۔ یہی تمہارے حق میں خیر اور انجام کے اعتبار سے بہترین بات ہے۔

لہٰذا قرآنی دستورات و احکامات میں سے ایک یہ ہے کہ تمام امت مسلمہ آپس میں متحد رہے۔ اس قرآنی تعلیم کے مقابلے استعمار کی تعلیم یہ ہے کہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف ڈالا جائے اور انہیں آمادہ کیا جائے کہ ایک دوسرے کی تکفیر و لعن کریں۔

تکفیر (کسی کا کو فر قرار دینا)، خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق

تکفیری وبا کو روکنے کے لئے قرآنی تعلیمات اور قرآنی علاج کو پیش کرنے کے بعد ضروری ہے کہ یہ بیان کیا جائے، کون لوگ تکفیر کا حق رکھتے ہیں؟ کیا ہر ایک کو حق حاصل ہے کہ دوسرے کو کفار کے گروہ میں داخل کرے؟ اور تکفیر کس وقت جائز ہے؟

علماء کے مطابق تکفیر کا مسئلہ شرعی ہے جو خدا اور رسولؐ کے اختیار میں ہے۔ شہرستانی نے اس سلسلے میں لکھا ہے:

" لان التکفیر حکم شرعی" (۷۶) اس لئے کہ تکفیر حکم شرعی ہے۔ امام قرانی بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ تکفیر ایک شرعی مسئلہ ہے عقلی نہیں۔ (۷۷) ابن حجر ہیثمی نے لکھا ہے:

التکفیر حکم شرعی سببہ جحد (۷۸) تکفیر حکم شرعی ہے جس کا سبب جحد اور انکار ہے۔

ابن تیمیہ جو وہابیت کے فکری و عقیدتی رہبر کے عنوان سے مشہور ہیں انہوں نے بھی تکفیر کو فقہی مسئلہ قرار دیا ہے اور ان کا عقیدہ ہے کہ تکفیر، خدا کا حق ہے، کسی کو حق حاصل نہیں کہ کسی دوسرے کو کافر قرار دے اور اس خدائی حق میں تجاوز کرے اور تکفیر کا مسئلہ ان مسائل میں سے ہے جس میں خدا اور رسول ہی اظہار نظر کر سکتے ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب الاستغاثہ میں لکھا ہے:

"علم و سنت والے اپنی مخالفین کی تکفیر نہیں کرتے خواہ مخالف اس علم و سنت والے کی تکفیر کرے۔ اس لئے کہ کفر ایک شرعی حکم ہے لہٰذا انسان کو حق حاصل نہیں ہے کہ اس بارے میں مقابلہ بہ مثل کرے اور اس کی تکفیر کرے۔ جیسا کہ اگر کوئی تمہاری تکذیب کرے یا تمہارے اہل کے ساتھ تجاوز کرے تو تم کو حق نہیں ہے کہ اس کی تکذیب کرو یا اس کے اہل کے ساتھ تجاوز کرو۔ اس لئے کہ جھوٹ اور زنا حق اللہ ہے۔ اسی طرح تکفیر بھی حق اللہ ہے اور کسی کو تکفیر کا حق حاصل نہیں ہے۔ صرف خدا و اس کے رسولؐ تکفیر کر سکتے ہیں اس طرح کسی بھی شخص کی تکفیر اور اس کے قتل کا جواز، اس بات پر موقوف ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے دلیل موجود ہو کہ اس کے مخالف کی تکفیر جائز ہے۔ ورنہ جو بھی دین سے جاہل ہو اس کی تکفیر نہیں ہوتی" ۔ (۷۹)

انہوں نے دوسری جگہ لکھا ہے کہ یہ وجوب و تحریم، ثواب و عقاب، تکفیر و تفسیق خدا و رسولؐ کا کام ہے۔ اور کوئی بھی اس سلسلے میں دخالت نہیں کر سکتا۔ (۸۰)

اسی طرح دوسری جگہ لکھا ہے کہ کسی کو حق حاصل نہیں ہے کہ کسی مسلمان کی تکفیر کرے چاہے اس نے غلطی ہی کی ہو مگر یہ کہ اس تکفیر پر دلیل موجود ہو۔ (۸۱)

ابن تیمیہ کے مشہور شاگرد ابن قیم کہتے ہیں: الکفر حق الله ثم رسوله بالشرع یثبت لا بقول فلان(۸۲)

کفر حق خدا ہے پھر خدا کے رسولؐ کا حق ہے جو شریعت سے ثابت ہے کسی کے کہنے سے نہیں۔

وہابیوں کے بزرگ عالم، ابن عثیمین بھی تکفیر کو خدا و رسولؐ کا حق قرار دیتے ہوئے معتقد ہیں کہ جو کسی کی تکفیر کرے در حقیقت خود وہ کافر ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

خدا کی پناہ، جو لوگ مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں وہ امت مسلمہ سے خارج ہیں اور اس میں شک نہیں کہ وہ کفار میں سے ہیں اس لئے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی ہے کہ اگر کوئی اپنے بھائی سے کہے۔: اے کافر! دو ہی صورتیں ہیں: جس کی تکفیر کی گئی ہے اگر وہ واقعی طور پر کافر ہو تو وہ کافر ہے لیکن اگر تکفیر ہونے والا کافر نہ ہو تو کہنے والا کافر ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہئے کہ اپنی زبان و قلب کو مسلمانوں کی تکفیر سے محفوظ رکھے، اور یہ تکفیر، خدا و اس کے رسولؐ کا حق ہے وہ جس کی تکفیر کریں وہ کافر ہے چاہے ہمارے نزدیک مسلمان ہو اور وہ جس کی تکفیر نہ کریں وہ مسلمان ہے چاہے کوئی کہے کہ وہ شخص کافر ہے۔(۸۳)

ولید بن راشد بن عبد العزیز السعیدان نے کتاب الاجماع العقدی میں ۶۱۹ ایسے مسائل جمع کئے ہیں جو اہل سنت کے درمیان متفق علیہ ہیں۔ انہوں نے تکفیر کو بھی ان مسائل میں سے قرار دیا ہے جس پر اہل سنت کا اتفاق ہے کہ یہ شارع کا حق ہے، وہ لکھتے ہیں:

" واجمعوا علی ان التکفیر حق الشارع فلا نکفر الا من کفره الله تعالیٰ و رسوله " (۸۴)۔

اہل سنت کا اجماع ہے کہ تکفیر، شارع کا حق ہے (یعنی کسی کو کافر قرار دینے کا حق صرف شارع کو ہے)۔ ہم کسی کی تکفیر نہیں کرتے، کسی کو کافر قرار نہیں دیتے صرف اس کو جس کو خدا اور رسولؐ نے کافر قرار دیا ہو۔

حمد محمد بوقرینی بھی تکفیر کو ایک شرعی مسئلہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: تکفیر و کافر قرار دینے میں کسی کی ذاتی و شخصی رائے کی کوئی اہمیت نہیں ہے اس لئے کہ یہ مسئلہ شرعی ہے نہ کہ عقلی، لہٰذا کافر وہی ہے جس کو خدا اور رسولؐ کافر، سمجھیں۔(۸۵)

لہٰذا جب معلوم ہو گیا کہ تکفیر حق ہے خدا اور رسولؐ کا، تو اب کسی کو اس سلسلے میں حدود الٰہی سے تجاوز کرنے کا یا صرف اسی وقت کسی کو کافر قرار دیا جا سکتا ہے جب شرع کی جانب سے اس کے پاس کوئی قطعی دلیل ہو۔ جیسا کہ علمائے اہل سنت نے اس بات کا اقرار کیا ہے۔ ذہبی بھی تکفیر کو صرف اسی وقت جائز سمجھتے ہیں کہ جب دلیل قطعی ہو۔ وہ علماء کو خطاب کر کے کہتے ہیں: فما ینبغی لک یا فقیه ان تبادر الی

تکفیر المسلم الا ببرھان قطعی۔ (۸۶) اے فقیہ ! تمہارے لئے ہر گز سزاوار نہیں ہے کہ کسی مسلمان کی تکفیر کرو مگر اسی وقت کہ جب تمہارے پاس قطعی دلیل موجود ہو۔ اہل سنت کے بزرگ عالم شوکانی بھی واضح و روشن دلیل کے ساتھ تکفیر کو جائز قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں: میرا کہنا ہے کہ کسی مسلمان کے بارے میں یہ حکم لگانا صحیح نہیں ہے کہ وہ دین سے خارج ہوگیا ہے اور کفر میں داخل ہوگیا ہے۔ خاص طور پور سے ایسے شخص کے لیے جو خدا اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے جب تک کہ بالکل واضح و روشن دلیل نہ ہو۔ (۸۷)

عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب نے بھی اس بارے میں لکھا ہے :

" تکفیر کے مسئلہ میں واجب ہے کہ کوئی اپنی زبان پر ایک حرف بھی نہ لائے جب تک کہ خدا کی طرف سے علم و برہان نہ ہو۔ اور کسی کو اپنی سمجھ اور استحسان عقلی کی بنیاد پر دین اسلام سے خارج کرنے سے اجتناب کرے۔ اسلئے کہ دین اسلام سے کسی کو خارج کرنا یا کسی کو دین اسلام میں داخل کرنا بہت بڑا دینی امر ہے۔ " اور تاکید کی ہے کہ تکفیر کے مسئلے میں معصوم یعنی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے نص ہونا ضروری ہے۔ ممکن ہے شیطان نے بہت سے افراد کو اس سلسلے میں فریب دیا ہو جو انہوں نے اس شخص کو مسلمان سمجھا جس کے بارے میں کتاب وسنت و اجماع نے کافر ہونے کا حکم لگایا تھا اور اس کو کافر قرار دیا جسے کتاب وسنت و اجماع نے مسلمان قرار دیا تھا۔ " (۸۸)

اسی طرح ابن الوزیر جو یمن کے عظیم علماء میں سے ہیں، انہوں نے یہاں تک کہا ہے کہ اگر کسی کے کافر ہونے پر دلیل بھی موجود ہو پھر بھی تکفیر کے سلسلے میں احتیاط کرنا چاہئے وہ لکھتے ہیں :

جمہور علماء جب اس شخص کی تکفیر میں احتیاط کا حکم لگاتے ہیں جس کے بارے میں کفر پر دلیل موجود ہو تو ایسے شخص کے بارے میں جس کے کفر پر کوئی نص و دلیل نہ ہو بدرجہ اولیٰ احتیاط و تقویٰ کا خیال کرنا چاہئے۔

آگے وہ اس بات کا بھی جواب دیتے ہیں کو نص کے موجود ہونے کی صورت میں بھی تکفیر سے اجتناب کرنا چاہئے۔ عدم تکفیر کی سب سے اہم دلیل حضرت علی علیہ السلام کے ذریعہ خوارج کی تکفیر نہ کرنا ہے۔

پھر وہ لکھتے ہیں: باوجودیکہ خوارج حضرت سے بغض و کینہ رکھتے تھے اور یہ دشمنی ان کے نفاق کی، دلیل تھی اور باوجودیکہ وہ لوگ حضرت علی علیہ السلام کی تکفیر کر رہے تھے لیکن حضرت نے ان کی تکفیر نہیں کی ان کو کافر نہیں کہا۔ (۸۹)

اب تک جو باتیں میں نے اہل سنت وہابیوں کے بزرگ علماء سے نقل کی ہیں ان سے واضح ہوگیا کہ تکفیر (کسی کو کافر قرار دینا)، خدا کا حق ہے اور خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کوئی کسی کو

کافر قرار نہیں دے سکتا صرف اس صورت میں کہ شرعی و قطعی (نہ کہ ظنی) دلیل، موجود ہو۔ اور دلیل قطعی کے ہونے کے باوجود بھی احتیاط ہی کرنا چاہئے اور اگر بغیر دلیل کسی مسلمان کی تکفیر کرنے سے تو خود وہ کافر ہو جاتا ہے جیسا کہ ابن عثیمین نے اشارہ کیا ہے۔

تکفیریوں کا طریقہ اور مسلمانوں کی تکفیر قرآن کی مخالفت

اسلامی تاریخ میں تکفیر کا ماضی ہے لیکن وہابی فرقہ کا وجود میں آنا اسلامی مذاہب کے درمیان تکفیر کی بحث کا وجود میں آنے کا آغاز ہے جب سے وہابی فرقہ وجود میں آیا ہے اس وقت سے اسلامی مذاہب کے درمیان مسلمانوں کو کافر قرار دینے کا سلسلہ شروع ہوا ہے اس لئے کہ وہابیت کے وجود میں آنے سے پہلے کسی بھی اسلامی فرقہ کا مذہبی و بنیادی عقیدہ تکفیر نہیں تھا صرف وہابیوں ہی کی یہ منطق اور طریقہ ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کو کافر قرار دینے اور تکفیر کو اہمیت دیتے ہیں۔

وہابیوں کا عقیدہ ہے کہ صرف وہی مسلمان ہیں بقیہ جو بھی ان کے عقائد و نظریات کے خلاف ہے وہ مشرک ہے اسی وجہ سے وہ اہل سنت اور علمائے اسلام کے قتل کو جائز سمجھتے ہیں۔ (۹۰) مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے اپنی کتاب میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے اور آلوسی نے بھی اپنی کتاب تاریخ نجد میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وہابیوں نے مسلمانوں کو حج سے روکا اور ان کو کافر قرار دینے میں زیادہ روی کی۔ (۹۱) کتاب السحب والوائلہ میں بھی ذکر ہوا ہے کہ جو بھی محمد بن عبد الوہاب کی مخالفت کرتا یہ لوگ اس کی تکفیر کرتے اور اس کے خون کو مباح قرار دیتے۔ (۹۲) البتہ محمد بن عبد الوہاب کے بھائی نے بھی اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ان کا بھائی ہر اس شخص کو کافر سمجھتا تھا جو ان کا مخالف ہو۔ (۹۳)

وہابی مورخ ابن غنام نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ: بارہویں صدی کے آغاز میں یعنی محمد بن عبد الوہاب کے قیام سے پہلے اکثر مسلمان مشرک تھے اور ارتداد جاہلیت کی طرف پلٹ چکے تھے۔ (۹۴) مؤلف نے اس کتاب میں محمد بن عبد الوہاب کی بہت زیادہ تعریف و تمجید اور حمایت کی ہے۔

وہابی علماء، آل شیخ کے راستے کی پیروی کو تنہا نجات کا راستہ سمجھتے ہیں اور اپنے مخالفین کو گمراہ و اہل جہنم قرار دیتے ہیں۔ (۹۵) اسی تکفیر اور دوسروں کو کافر قرار دینے ہی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے مردوں، عورتوں اور بچوں کے خون کو اپنے اوپر حلال سمجھا جیسا کہ جبرتی نے اپنی تاریخی کتاب میں اس بربریت کی طرف اشارہ کیا ہے: مردوں کو قتل کیا اور عورتوں و بچوں کو قیدی بنایا، کہ وہابیوں کا یہی طریقہ ہے۔ (۹۶)

ابن بشیر نے بھی یہ اعتراف کیا ہے کہ وہابیوں نے اسلامی ممالک میں ہزاروں بے گناہ افراد کا خون بہایا ہے۔ (۹۷)

وہابیوں نے مسلمانوں کو کافر قرار دے کر قرآن کے اس حکم کی مخالفت کی جس میں مومنین کے درمیان بھائی چارے کا حکم دیا گیا اور مسلمانوں کی تکفیر سے منع کیا گیا۔ وہ مومنین کے ناحق خون کو زمین پر بہا رہے ہیں جس سے قرآن نے شدت سے روکا ہے۔ یہ تو قرآن و منطق کی عین مخالفت ہے۔ اہل سنت بھی طول تاریخ میں وہابیوں کے ہاتھوں محفوظ نہیں رہے جبکہ طول تاریخ میں شیعہ حضرات سب سے زیادہ اس تکفیر کی قربانی کی نذر ہوئے۔ یہاں تک کہ محمد بن عبد الوہاب نے نہ صرف شیعوں کو بے وجہ کافر قرار دیا، بلکہ ان کے کافر ہونے میں شک کرنے والوں کو بھی کافر جانا ہے وہ لکھتا ہے: ومن شک فی کفرھم بعد قیام الحجة علیھم فھو کافر (۹۸) جو بھی شیعوں کے سلسلے میں حجت تمام ہونے کے بعد ان کے کافر ہونے میں شک کرے وہ کافر ہے۔

افندی ان تکفیری افراد میں سے ہے جس نے طول تاریخ میں شیعوں کی فکر کے حوالہ سے سب سے خطرناک فتوے دیئے ہیں۔ مشہور حنفی فقیہ محمد امین جو ابن عابدین کے نام سے مشہور ہیں انہوں نے اپنی کتاب "تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ" میں شیعوں کی تکفیر اور ان کے قتل کے جواز کے بارے میں عبد اللہ افندی کے مشہور فتووں کو بیان کیا ہے اور افندی کی اس بات کو بھی نقل کیا ہے کہ اگر کوئی شیعوں کے کفر یا ان کے قتل کے جائز ہونے میں شک یا توقف کرے وہ بھی کافر ہے، ابن عابدین افندی نے ان فتووں کو اس انداز سے بیان کیا ہے:

شیخ الاسلام عبد اللہ افندی کے ۱۱۴۲ھ میں مدینہ منورہ سے واپسی کے بعد میں نے ان کے بعض رسالوں میں دیکھا کہ سوال کیا گیا تھا: شیعوں کے قتل کئے جانے کے سلسلے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ ایسی صورت میں کہ جب وہ حاکم اسلامی پر خروج کریں؟ اگر کفر کی وجہ سے ہو تو ان کے کفر کی وجہ کیا ہے؟ اور کفر ثابت ہونے کی صورت میں اگر توبہ کرلیں تو کیا ان کی توبہ اور ان کا اسلام مرتد کی طرح قابل قبول ہوگا؟۔ یا اس شخص کی طرح جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دے۔ ان کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ اور قتل کئے جائیں گے؟۔ اور اگر کافر ہیں تو کیا حد قتل جاری ہوگی یا حدّ کفر؟ اور کیا جائز ہے کہ ان سے جزیہ لیا جائے اور وہ قتل نہ کئے جائیں اور ان کی عورتیں کنیز کے طور پر لی جائیں؟

افندی نے جواب میں لکھا: "ان ھولاء الکفرة والبغاة الفجرة جمعوا بین اصناف الکفر والبغی والعناد وانواع الفسق والزندقة والالحاد ومن توقف فی کفرھم والحادھم و وجوب قتالھم وجواز قتلھم فھو کافر مثلھم"۔

ان کفار و ستمگر اور باغی و خطاکار (شیعوں) نے ہر طرح کے کفر، ظلم، فسق اور بے دینی کو اپنے اندر جمع کرلیا ہے۔ جو بھی ان کے کفر، شرک، بے دینی اور قتل میں شک کرے وہ خود کافر ہے۔۔۔ کافر گروہ

(شیعہ) چاہے توبہ کرے یا نہ کرے ان کا قتل واجب ہے۔ اس لئے کہ اگر توبہ کریں اور مسلمان ہو جائیں تو ان پر حد جاری ہو گی اور ایسے شخص کی حد اس کا قتل کیا جانا ہے۔ اور اگر توبہ نہ کریں تو قتل کئے جائیں گے اور ان پر کافروں کے احکام جاری ہوں گے اسی وجہ سے ان کا چھوڑ دینا اور جزیہ لینا جائز نہیں ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ قتل کئے جائیں۔ اور ان کی عورتوں و بچوں کو کنیزی کے طور پر لیا جائے اس لئے کہ بچہ، ماں کے حکم میں ہے۔ (۹۹)

اس کے برخلاف قاضی ایجی کا کہنا ہے کہ: اہل سنت کے جمہور فقہا و متکلمین اس بات پر متفق ہیں کہ کسی بھی اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کی جا سکتی، اور کسی بھی اہل قبلہ کو کافر قرار نہیں دیا جا سکتا۔۔۔ (۱۰۰) قاضی سبکی کا بھی کہنا ہے کہ مومنین کی تکفیر اور ان کو کافر قرار دینا بہت سخت ہے اور جس کے دل میں بھی ایمان ہے وہ اہل ایمان ہے اور اہل بدعت کی تکفیر کو بھی بہت سخت سمجھتا ہے بشرطیکہ وہ شہادتین کا اقرار کر رہا ہو، اس لئے کہ تکفیر سخت و خطرناک امر ہے۔ (۱۰۱)

نتیجہ:

قرآن کریم، مسلمانوں کا سب سے پہلا منبع و ماخذ ہونے کے ساتھ سب سے پہلی کتاب ہے جس نے مسلمانوں کی تکفیر اور ان کو بے وجہ کافر قرار دیئے جانے کی مذمت کی ہے۔ قرآن کریم نے تکفیر سے روکنے کے لئے اور اس بیماری کو ختم کرنے کے لئے بہت سے راستے بتائے ہیں ان میں سے ایک راستہ، دوسروں کی تکفیر میں جلد بازی سے پرہیز اور ظاہری طور پر اسلام کا دعویٰ کرنے والے کے اسلام میں شک نہ کرنا ہے۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ جو مسلمان آپس میں جنگ کی حالت میں ہیں ان کو مومن کہنا اور ان کے درمیان ایمانی بھائی چارے کی تاکید ہے۔ اسی طرح نزاع و اختلاف کرنے والوں کے درمیان اصلاح، صلح و صفائی کا حکم دے کر تکفیر اور اختلاف کے راستے کو بند کیا ہے۔ قرآن کریم نے مومن کے خون کو بہت زیادہ اہمیت دے کر اس کی حفاظت کی ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی تکفیر کے ذریعہ یعنی بے وجہ کسی کو کافر قرار دے کر اس کے حقوق پامال کرے۔ تکفیر جیسے خطرناک مرض کو ختم کرنے کے لئے اولی الامر کی طرف رجوع بھی ایک قرآنی راستہ ہے۔ آخر میں اس جانب توجہ دلائی گئی ہے کہ تکفیر ایک شرعی مسئلہ ہے، جو خدا و رسولؐ کا حق ہے صرف خدا اور رسولؐ کسی کو کافر قرار دے سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ کسی کو حق حاصل نہیں ہے کہ بغیر قطعی دلیل کے دوسرے کو کافر سمجھے۔ اسی طرح تکفیریوں کے غلط اور غیر قرآنی طریقے کو بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگ اپنے مخالفین کو باوجودیکہ وہ مسلمان تھے ان کی تکفیر کی اور ان کے خون کو اپنے اوپر مباح سمجھا۔

حوالہ جات:
۱۔المفردات غریب فی القرآن، راغب اصفہانی، جلد ا ص ۴۳۳۔
۲۔تاج العروس، محمد مرتضٰی زبیدی، جلد ۱۴ ص ۵۰ ،الصحاح، جوہری، جلد ۲ ص ۸۰۷۔
۳۔تاج العروس، محمد مرتضٰی زبیدی، ص ۴۵۶
۴۔ معجم اللغۃالعربیہ المعاصر، احمد عبدالحمید عمر، جلد ۳ ،ص ۱۹۴۳
۵ ۔ معجم اللغۃالعربیہ المعاصر، احمد عبدالحمید عمر، ص ۱۹۴۴۔
۶۔ معجم المصطلحات والالفاظ الفقہیہ، محمود عبدالمنعم، جلد ا ،ص ۴۸۷
۷۔عمدۃالقاری شرح صحیح بخاری، بدرالدین عینی، جلد ا ص ۲۱۶
۸ ۔ المواقف، عضدالدین ایجی، جلد ۳ ،ص ۵۴۴،
۹۔الاحکام فی اصول الاحکام، علی ابن الحزم، جلد ا ،ص ۴۹۔
۱۰۔ کتب ورسائل وفتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ابن تیمیہ جلد ۱۲ صفحہ ۳۳۵۔
۱۱۔ کتب ورسائل وفتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ابن تیمیہ جلد ا ص ۱۰۶
۱۲۔ درء تعارض العقل والنقل ابن تیمیہ، جلد ا ص ۲۴۲۔
۱۳۔ شرح المقاصد فی علم الکلام، سعد تفتازانی، جلد ۲ ص ۲۶۷۔
۱۴۔ایثار الحق علی الخلق فی رد الخلافات الی المذہب الحق من اصول التوحید، محمد بن وزیر، جلد ا ص ۳۷۶۔
۱۵۔سورہ نساء آیت ۹۴۔
۱۶۔ تفسیر البغوی، حسین البغوی جلد ا ص ۴۶۶۔ تفسیر ال قرطبی، محمد قرطبی جلد ۵ ص ۳۳۶۔
۱۷۔ تفسیر الطبری، محمد طبری جلد ۵ ص ۲۲۱۔
۱۸۔ تفسیر الطبری ص ۲۲۵۔
۱۹۔ تفسیر البیضاوی، ناصر الدین بیضاوی، جلد ۲ ص ۲۳۷۔
۲۰۔ تفسیر البیضاوی، ناصر الدین بیضاوی، جلد ۲ ص ۲۳۷
۲۱۔نیل الاوطار من احادیث سیدالاخیار شرح منتقی الاخبار، محمد شوکانی جلد ۷ ص ۳۵۳۔
۲۲۔ تفسیر السعدی، عبدالرحمان، سعدی، جلد ا ص ۱۹۵۔
۲۳۔ تفسیر السعدی، عبدالرحمان، سعدی، جلد ا ص ۱۹۴۔
۲۴۔ التفسیر الکبیر اوْ مفاتیح الغیب، فخر الدین رازی، جلد ۱۱۔ ص ۳۔
۲۵۔الجامع الاحکام القرآن، محمد قرطبی، جلد ۵ ص ۳۳۹۔

۲۶۔ صحیح البخاری، محمد بخاری، جلد ۴، ص ۱۵۵۵۔
۲۷۔ سورہ نساء آیت ۹۴۔
۲۸۔ التفسیر الکبیر، فخر الدین رازی، جلد ۱۱ ص ۳۔
۲۹۔ تفسیر الطبری، محمد طبری، ج ۵، صفحہ ۲۲۱۔
۳۰۔ فتح القدیر الجامع بین فنی الروایۃ والدرایۃ من علم التفسیر، محمد شوکانی جلد ۱، ص ۵۰۱۔
۳۱۔ الموافقات فی اصول الفقہ، ابراہیم شاطبی، جلد ۲، ص ۲۷۱۔
۳۲۔ سورہ حجرات، آیت ۹ و ۱۰۔
۳۳۔ شرح العقیدہ الطحاویہ، سفر بن عبد الرحمٰن حوالی، ص ۴۲۔
۳۴۔ تفسیر القرآن العظیم، اسماعیل ابن کثیر، جلد ۴ ص ۲۱۲۔
۳۵۔ الکشف والبیان (تفسیر الثعلبی)، ابو اسحاق احمد ثعلبی، جلد ۹، ص ۷۹۔
۳۶۔ المغنی فی فقہ الامام احمد بن حنبل الشیبانی، ابن قدامہ مقدسی، جلد ۹، ص ۳۔
۳۷۔ عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، بدر الدین عینی، جلد ۱ ص ۲۰۹۔
۳۸۔ فتنۃ التکفیر، ناصر الدین البانی، ص ۲۷۔
۳۹۔ مجموع فتاویٰ العلامہ عبد العزیز بن باز، عبد العزیز بن باز، جلد ۲، ص ۱۹۴۔
۴۰۔ صحیح البخاری، محمد بخاری، جلد ۳، ص ۱۳۲۸۔
۴۱۔ صحیح البخاری، محمد بخاری، جلد ۱، ص ۲۷۔
۴۲۔ صحیح البخاری، محمد بخاری، جلد ۴، ص ۱۰۵۹۔
۴۳۔ مدارج السالکین، محمد بن قیم، جلد ۱، ص ۳۳۶۔
۴۴۔ سورہ مائدہ آیت ۴۴۔
۴۵۔ کتب و رسائل و فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ابن تیمیہ جلد ۷ ص ۲۵۴۔
۴۶۔ فتح الباری، شرح صحیح البخاری، ابن حجر عسقلانی، جلد ۱ ص ۱۱۳۔
۴۷۔ سورہ حجرات، آیت ۹۔
۴۸۔ احکام القرآن، احمد جصاص جلد ۵ ص ۲۸۲۔
۴۹۔ تفسیر الطبری، محمد طبری جلد ۲۶ ص ۱۲۷۔
۵۰۔ سورہ حجرات، آیت ۱۰۔
۵۱۔ الجامع الاحکام القرآن، محمد قرطبی، جلد ۱۶، ص ۳۲۲۔

۵۲۔الفتاویٰ الکبریٰ الشیخ الاسلام ابن تیمیہ، ابن تیمیہ، جلد ۴ ص ۲۶۵۔
۵۳۔المنتقی من منہاج الاعتدال فی نقض کلام اہل الرفض والاعتدال، محمد ذہبی جلد ا ص ۵۵۹۔
۵۴۔اعلام السنۃ المنشورۃ، حافظ حکمی، جلد ا ص ۲۳۲۔
۵۵۔ تفسیر السعدی، عبدالرحمٰن سعدی، جلد ا، ص ۸۰۰۔ ۸۰۱۰۔
۵۶۔ تفسیر بغوی، بغوی، جلد ۴ ص ۲۱۳۔
۵۷۔البدایۃ والنہایہ، اسماعیل ابن کثیر جلد ۷ ص ۲۹۔
۵۸۔ البحر الزخار، (مسند البزار) ابو بکر بزار، جلد ۳ ص ۲۶۔۲۷۔
۵۹۔ نہج البلاغہ (صبحی صالح)، شریف رضی، ص ۴۷ ۳۔
۶۰۔ سورہ بقرہ، آیت ۱۷۸۔
۶۱۔ سورہ مائدہ، آیت ۳۲۔
۶۲۔التفسیر الکبیر، فخر الدین رازی، جلد ۱۱۔ ص ۱۶۸۔
۶۳۔الجامع الاحکام القرآن، محمد قرطبی، جلد ۶ ص ۱۴۶۔
۶۴۔ تفسیر الکریم الرحمان فی تفسیر کلام المنان، عبدالرحمان سعدی، جلد ا ص ۲۲۹۔
۶۵۔ روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، سید محمود آلوسی جلد ۶ ص ۱۱۸۔
۶۶۔ صحیح بخاری، محمد بخاری، جلد ۶ ص ۲۵۱۷۔
۶۷۔ صحیح بخاری، محمد بخاری، جلد ۳ ص ۱۱۵۵۔
۶۸۔ سورۂ نساء، آیت ۹۳۔
۶۹۔الشرح الممتع علی زاد المستقنع، محمد بن عثیمین، جلد ۱۴ ص ۱۹۱۔
۷۰۔ سورۂ آل عمران، آیت ۱۰۳۔
۷۱۔ تفسیر الطبری، محمد طبری، جلد ۴ ص ۳۰۔
۷۲۔ تفسیر الطبری، محمد طبری جلد ۴ ص ۳۲۔
۷۳۔ الجامع الاحکام القرآن، محمد قرطبی جلد ۴ ص ۱۵۹۔
۷۴۔ سورۂ انفال، آیت ۴۶۔
۷۵۔ سورۂ نساء، آیت ۵۹۔
۷۶۔ الملل والنحل، محمد شہرستانی، جلد ا ص ۲۰۲۔
۷۷۔ الفروق اوانوار البروق فی انواء الفروق (مع الہوامش) احمد قرانی ج ۴۔ ص ۲۹۸

۷۸۔ الصواعق المحرقۃ علی اہل الرفض والضلال والزندقۃ، احمد ابن حجر ج ۱۔ ص ۱۳۲
۷۹۔ الاستغاثۃ فی الرد علی البکری، ابن تیمیہ، جلد ا ص ۳۸۱۔
۸۰۔ کتب ورسائل وفتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، جلد ۵ ص ۵۵۴۔
۸۱۔ کتب ورسائل وفتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، جلد ۱۲، ص ۵۰۱۔
۸۲۔ توضیح المقاصد وتصحیح القواعد فی شرح قصیدۃ الامام ابن القیم، احمد بن قیم جلد ۲، ص ۴۱۲۔
۸۳۔ شرح ریاض الصالحین، محمد بن عثیمین، جلد ۶ ص ۷۹۴۔
۸۴۔ الاجماع العقدی، ولید سعیدان، شمارہ ۵۶۸۔ ص ۵۲۔
۸۵۔ التکفیر، مفہومہ واخطارہ وضوابطہ، حمد محمد بوقرین، ص ۵۰۔
۸۶۔ محمد ذہبی، سیر اعلام النبلاء، محمد ذہبی جلد ۱۴، ص ۳۴۳۔
۸۷۔ محمد شوکانی، السیل الجرار، المتدفق علی حدائق الازہار، جلد ۴ ص ۵۷۸۔
۸۸۔ الدر السنیۃ فی الاجوبۃ النجدیہ، علماء نجد، جلد ۱۰۔ ۳۷۴، نواقض الایمان القولیۃ والعملیۃ، عبد العزیز بن محمد بن علی العبد اللطیف ج ۱۔ ص ۷
۸۹۔ ایثار الحق علی الخلق فی رد الخلافات الی المذہب الحق من اصول التوحید، محمد ابن الوزیر جلد ا ص ۳۸۸۔
۹۰۔ عقائد علماء اہل السنۃ الدیوبندیہ (المہند علی المفند)، مولانا خلیل احمد سہارنپوری، ص ۵۸
۹۱۔ تاریخ نجد، سید محمود آلوسی، ص ۹۴۔
۹۲۔ السحب الوائلہ علی ضرائح الحنابلہ، محمد ابن حمید، ص ۲۷۶۔
۹۳۔ الصواعق الالہیۃ فی الرد علی الوہابیۃ، سلیمان بن عبد الوہاب ا، ص ۴۔
۹۴۔ تاریخ نجد، حسین بن غنام، ص ۱۳۔
۹۵۔ الدرر السنیۃ فی الاجوبۃ النجدیہ، علماء نجد، جلد ۱۴ ص ۳۷۵۔
۹۶۔ عجائب الآثار، عبد الرحمان جبرتی، ص ۳۷۳۔
۹۷۔ عنوان المجد فی تاریخ نجد، عثمان بن بشر، ص ۲۵۷۔۲۵۸۔
۹۸۔ الدرر السنیۃ فی الاجوبۃ النجدیۃ، علما نجد جلد ۱۰ ص ۴۴۰۔
۹۹۔ العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ، محمد امین بن عابدین، جلد ا ص ۱۰۳
۱۰۰۔ المواقف، عضد الدین ایجی، جلد ۳، ص ۵۶۰۔
۱۰۱۔ الیواقت والجواہر، سبکی، ص ۵۸۔

منابع:

۱۔قرآن کریم

۲۔ابن وزیر، محمد بن نصر المرتضٰی ، ایثار الحق علی الخلق کی رد الخلافات الی المذہب الحق من اصول التوحید ، چاپ دوئم دار االکتب العلمیہ، بیروت ۱۹۸۷م،

۳۔ ابن باز، عبدالعزیز، مجموع فتاویٰ العلامہ عبدالعزیز بن باز، تحقیق اشرف علی جمعہ، محمد بن سعد الشویعر، ریاض (بی نا، بی تا)

۴۔ ابن بشر، عثمان بن عبداللہ، عنوان المجد فی تاریخ نجد، چاپ چہارم: مطبوعات دارۃ الملک عبدالعزیز، ریاض (بی تا)

۵۔ ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم، الاستغاثہ فی الرد علی البکریٰ، تحقیق عبد اللہ بن محمد سھلی ، چاپ اول: دار الوطن ، ریاض ۱۴۱۷ـ

۶---، کتب و رسائل و فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ، تحقیق عبدالرحمٰن بن محمد بن قاسم عاصمی نجدی، چاپ دوئم مکتبہ ابن تیمیہ، ریاض (بی نا)

۷۔ الفتاویٰ الکبریٰ لشیخ الاسلام ابن تیمیہ، تحقیق قدم لہ حسنین محمد مخلوف، دار المعرفۃ، بیروت، (بی تا)

۸۔درء تعاض العقل والنقل، تحقیق عبداللطیف عبدالرحمٰن، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۷ق/۱۹۹۷ء

۹۔ابن حجر، ابوالعباس احمد بن محمد بن علی، الصواعق لا محرقۃ علی اہل الرفض والضلال والزندقۃ، تحقیق عبدالرحمٰن بن عبداللہ ترکی، کامل محمد الخراط، چاپ اول: موسسہ الرسالہ، بیروت ۱۴۱۷ق/۱۹۹۷م

۱۰۔ ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی بن حجر ابوالفضل، فتح الباری شرح صحیح البخاری، تحقیق محب الدین الخطیب، دار المعرفہ ، بیروت (بی تا)

۱۱۔ابن قیم، احمد بن ابراہیم بن عیسیٰ، توضیح المقاصد و تصحیح القواعد فی شرح قصیدۃ الامام ابن القیم ، تحقیق زہیر الشاویش ، چاپ سوم، المکتب الاسلامی، بیروت ۱۴۰۶ق۔

۱۲۔ ابن حزم، علی بن احمد، الاحکام، فی اصول الاحکام چاپ اول، دار الحدیث، قاہرہ ۱۴۰۴۔

۱۳۔ ابن حمید، محمد بن عبداللہ ابن حمید، نجدی حنبلی مفتی مکہ، السحب الوائلہ علی ضرائح الحنابلہ، مکتبۃ امام احمد (بی جا، بی تا)

۱۴۔ ابن عابدین، محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین دمشقی حنفی، العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ، (بی جا، بی تا)

۱۵۔ ابن عبدالوہاب، سلیمان، الصواعق الٰہیہ فی الرد علی الوہابیہ، چاپ سوم دار الشفقہ، استانبول، ۱۳۹۹،ق۔

۱۶۔ ابن عثیمین، محمد بن صالح بن محمد عثیمین، شرح ریاض الصالحین، دار الوطن اللنشر، ریاض ۱۴۲۶۔ق

۱۷۔ الشرح الممتع علی زاد المستقنع چاپ اول۔ دار ابن الجوزی، ۱۴۲۲۔۱۴۲۸۔

۱۸۔ ابن قیم، محمد بن ابی بکر ایوب زرعی، مدارج السالکین بین منازل ایاک نعبد و ایاک نستعین، تحقیق محمد حامد فقی، چاپ دوم، در الکتاب العربی، بیروت ۱۳۹۳ق/۱۹۷۳م۔

۱۹۔ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، البدایۃ والنہایۃ، مکتبۃ المعارف، بیروت (بی تا)

۲۰۔ تفسیر القرآن العظیم، دار الفکر، بیروت ۱۴۰۱ق

۲۱۔ آلوسی، شہاب الدین سید محمود، تاریخ نجد، تحقیق محمد بہجۃ اثری، مکتبۃ دار المد بلولی، قاھرہ، (بی تا)

۲۲۔ روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، دار احیاء التراث العربی، بیروت (بی تا)

۲۳۔ ایجی، عضد الدین عبد الرحمٰن، کتاب المواقف، تحقیق عبد الرحمٰن عمیرہ، چاپ اول، دار الجیل، بیروت ۱۴۱۷ق، ۱۹۹۷م۔

۲۴۔ البانی، محمد ناصر، فتنۃ التکفیر، چاپ دوئم، دار ابن خزیمہ، ریاض، (بی تا)

۲۵۔ بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، تحقیق مصطفٰی دیب البغا، چاپ سوم، دار ابن کثیر، یمامہ بیروت ۱۴۰۷ق ۱۹۸۷۔

۲۶۔ بزار، ابو بکر احمد بن عمرو، البحر الزخار (مسند البزار) تحقیق محفوظ الرحمٰن زین اللہ، چاپ اول: موسسۃ علوم القرآن، مکتبۃ العلوم والحکم، بیروت ۱۴۰۹ق۔

۲۷۔ بغوی، حسین بن مسعود، تفسیر البغوی، تحقیق خالد عبد الرحمٰن العک، دار المعرفہ، بیروت (بی تا)

۲۸۔ بوقرین، حمد محمد، التکفیر، مفہومہ واخارہ وضوابطہ، (بی نا، بی جا، بی تا)

۲۹۔ بیضاوی، ناصر الدین ابو الخیر عبد اللہ بن عمر بن محمد، انوار التنزیل واسرار التاویل (تفسیر البیضاوی) دار الفکر، بیروت (بی تا)

۳۰۔ تفتازانی، سعد الدین مسعود، شرح المقاصد فی علم الکلام، چاپ اول: دار المعارف النعمانیہ، پاکستان ۱۴۰۱ق/۱۹۸۱م۔

۳۱۔ ثعلبی، ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم، الکشف البیان، تحقیق الامام ابی محمد بن عاشور، چاپ اول، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۲۲ق/۲۰۰۲م۔

۳۲۔ جبرتی، عبد الرحمان بن حسن جبرتی، عجائب الآثار، تحقیق عبد الرحمان عبد الرحیم، چاپ سوم، دار الکتب المصریہ، قاہرہ، (بی تا)

۳۳۔ جصاص، احمد بن علی رازی، احکام القرآن، تحقیق محمد صادق قمحاوی، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۰۵ق۔

۳۴۔ جوہری، اسماعیل بن حماد، الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیہ، تحقیق احمد عبد الغفور عطار، چاپ چہارم: دار العلم الملایین، بیروت ۱۴۰۷ق۔

۳۵۔ حسین بن غنام، تاریخ نجد، چاپ چہارم، دار الشروق ۱۴۱۵ق۔

۳۶۔ حکمی، حافظ بن احمد بن علی اعلام السنہ المنشورہ (بی نا، بی جا، بی تا)

۳۷۔ حوالی، سفر بن عبد الرحمٰن، شرح العقیدۃ الطحاویۃ، دار المعرفۃ (بی جا، بی تا)

۳۸۔ ذہبی، ابو عبد اللہ محمد بن عثمان، سیر اعلام النبلاء، تحقیق شعیب الارناووط، محمد نعیم عرقسوسی، چاپ نہم، مؤسسہ الرسالہ، بیروت ۱۴۱۳ق۔

۳۹۔المنتقی من منہاج الاعتدال فی نقض کلام اہل الرفض والاعتزال، تحقیق محب الدین الخطیب۔ (بی نا، بی جا، بی تا)

۴۰۔رازی شافعی، فخر الدین محمد بن عمر تمیمی، التفسیر الکبیر اوٗ مفاتیح الغیب، چاپ اول، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ق، ۲۰۰۰م۔

۴۱۔ راغب اصفہانی، حسن بن محمد المفردات فی غریب القرآن، تحقیقی محمد سید گیلانی، دار المعرفت، لبنان (بی، تا)

۴۲۔رضی، شریف، نہج البلاغہ للصبحی صالح، تحقیق و تصحیح فیض الاسلام، چاپ اول، ہجرت، قم ۱۴۱۴ق۔

۴۳۔ زبیدی، محمد مرتضیٰ حسینی، تاج العروس من جواہر القاموس، تحقیق جمعی از محققین، دار الہدایہ (بی جا، بی تا)

۴۴۔ سبکی، الیواقت والجواہر (بی نا، بی جا، بی تا)

۴۵۔ سعدی عبد الرحمٰن بن ناصر، تیسیر الکریم الرحمٰن فی تفسیر کلام المنان (تفسیر السعدی) تحقیق ابن عثیمین موسسۃ الرسالہ، بیروت ۱۴۲۱ق، ۲۰۰۰م۔

۴۶۔ سہارنپوری، عقائد علماء اہل السنۃ الدیوبندیہ (المہند علی المفند) مولانا خلیل احمد سہارنپوری، تحقیق دکتر سید طالب رحمان، چاپ اول، ریاض (بی، تا)

۴۷۔ شوکانی، محمد بن علی بن محمد، فتح القدیر الجامع بین فنی الروایۃ الدرایۃ من علم التفسیر، دار الفکر، بیروت (بی، تا)

۴۸۔۔۔ السیل الجرار المتدفق علی حدائق الازھار، تحقیق محمود ابراہیم زاید، چاپ اول، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۰۵۔

۴۹۔۔۔ نیل الاوطار من احادیث سید والاخیار شرح منتقی الاخبار، دار الجیل، بیروت ۱۹۷۳م۔

۵۰۔شہرستانی، محمد بن عبد الکریم، الملل والنحل، تحقیق محمد سید گیلانی، دار المعرفۃ، بیروت ۱۴۰۴۔

۵۱۔طبری، ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب، جامع البیان عن تاویل ای القرآن (تفسیر طبری) دار الفکر، بیروت ۱۴۰۵۔

۵۲۔ عبد الحمید عمر، احمد مختار، معجم اللغۃ العربیہ المعاصرۃ، چاپ اول، عالم الکتب، ۱۴۲۹ق، ۲۰۰۸م۔

۵۳۔عبد المنعم، محمود عبد الرحمان، معجم المصطلحات والفاظ الفقہیہ، دار الفضیلہ (بی جا، بی تا)

۵۴۔ عقدی، ولید بن راشد بن عبد العزیز السعیدان، الاجماع العقدی (بی نا، بی جا، بی تا)

۵۵۔ علماء نجد، الدرر السنیۃ فی الاجوبۃ النجدیۃ، تحقیق عبد الرحمان بن محمد بن قاسم، چاپ ششم، (بی نا، بی جا، (بی تا)

۵۶۔عینی، بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، دار احیاء التراث العربی، بیروت (بی تا)

۵۷۔ غرناطی کلبی معروف بہ شاطبی، ابراہیم بن موسیٰ لخمی، الموافقات فی اصول الفقہ، تحقیق عبد اللہ دراز، دار المعرفۃ بیروت (بی تا)

۵۸۔ قرافی، ابو العباس احمد بن ادریس صنہاجی، الفروق او انوار البروق فی انواء الفروق (مع الہوامش) تحقیق خلیل المنصور، چاپ اول، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۸ق، ۱۹۹۸م۔

۵۹۔ قرطبی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح، الجامع الاحکام القرآن، دار الشعب، قاہرہ (بی تا)

۶۰۔ مقدسی، ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ، المغنی فی فقہ الامام احمد بن حنبل الشیبانی، چاپ اول، دار الفکر، بیروت ۱۴۰۵۔